عاشورائے محرم کا روزہ

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب نبی علیہ السلام نے دس محرم کا روزہ خود بھی رکھا اور اس کے رکھنے کا (دوسروں کو بھی) حکم دیا تو صحابہ عرض گزار ہوئے کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دن (عاشورائے محرم) ایسا ہے جس کی یہود و نصاریٰ بھی تعظیم کرتے ہیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آئندہ سال ہم یوم التاسع (نو محرم) کا روزہ رکھیں گے، ان شاء اللہ۔“ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ سال (محرم) سے پہلے ہی وفات پا گئے۔“ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۱۳۴)

فضائل ومسائل محرم

❀......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أفضل الصيام بعد شهر رمضان شهر الله المحرم)) (صحيح مسلم: ۲۸۸/۱) ''رمضان کے بعد (نفلی) روزوں کے لیے سب سے فضیلت والا مہینا محرم کا مہینا ہے۔''

❀......رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں یہودی عاشورے کے دن کا روزہ رکھتے اور اس کی تعظیم کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا: ''اس دن کا روزہ تم لوگ کیوں رکھتے ہو؟'' انھوں نے کہا: ''اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی قوم کو نجات دی اور ان کے دشمن فرعون وغیرہ کو دریائے نیل میں غرق کر دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہ طور شکر روزہ رکھا تھا۔ اب ہم بھی (ان کی اتباع میں) اس دن روزہ رکھتے ہیں۔'' یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((فنحن أحق وأولى بموسى منكم فصامه وأمر بصيامه)) (صحيح مسلم: ۲۷۹/۱) ''چنانچہ آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور اس دن کا روزہ امت محمدیہ کے لیے بھی مشروع فرمایا۔''

❀......عاشوراء کے روزے کے ثواب کی بابت آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((يكفر السنة الماضية)) (صحيح مسلم: ۳۸۸/۱) ''اس سے گزشتہ سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''

❀......ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اس مہینے یا عاشورے کو جو امتیاز حاصل ہے وہ صرف روزوں کی وجہ سے ہے اور کوئی وجہ امتیاز اس مہینے یا اس کی ۱۰ تاریخ کی نہیں۔ اس کے علاوہ ماہِ محرم اور عاشوراء محرم کے لیے جو کچھ بھی بیان کیا جاتا ہے وہ سب ایجادِ بندہ ہیں۔ ان کا کوئی صحیح ثبوت نہیں، مثلاً: خصوصی کھانے پکانا، حلیم کی دیگیں پکا کر مسکینوں کو کھلانا، بہ طور خاص صدقہ وخیرات کرنا، مشروبات کی سبیلیں لگانا، ماتمی لباس پہننا، سرمہ لگانا، قبروں کی زیارت کو جانا، تعزیے بنانا وغیرہ سب امور بدعت اور ناجائز ہیں۔

اسی طرح اس عشرے میں واقعاتِ کربلا کو رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کرنا بھی شیعوں کا مخصوص آہنگ ہے جو بدعت قبیحہ ہی کے ضمن میں آتا ہے، اس سے بھی اجتناب ضروری ہے۔ اسلام کی تاریخ میں سب سے بڑا حادثہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ ہے جو ایرانیوں اور یہودیوں کی سازش سے ۲۳ ہجری کے بالکل آخر میں واقع ہوا۔ اور یکم محرم کو آپ کی تدفین عمل میں آئی اور مظلومانہ شہادت کے لحاظ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے بڑھ کر کوئی مظلومانہ شہادت نہیں جو ۱۸ ذوالحجہ کو ہوئی۔ لیکن مسلمانوں نے ان کے لیے کبھی محفل ماتم یا مجلس عزا برپا نہیں کی، نہ نالہ وشیون، نہ نوحہ وماتم کو اپنا شعار بنایا۔ کئی صدیوں تک یہی کیفیت رہی تا آنکہ معزالدولہ بن بویہ نے ۳۵۲ھ میں ماتمی جلوسوں اور جلسوں کی رسم ایجاد کی۔ (البداية والنهاية: ۲۴۳/۱۱) تب سے ہی شیعہ فرقے نے اس رسم کو اپنے مذہب کی سب سے بڑی بنیاد بنا رکھا ہے۔

اس ماہ میں ایک غلط رسم یہ بھی رائج ہے کہ اس مہینے کو سوگ اور ماتم کا مہینا سمجھ لیا گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ اس مہینے میں شادی بیاہ سے اجتناب کرتے ہیں۔ صرف شیعہ ایسا کرتے تو چنداں قابلِ تعجب بات نہ تھی لیکن افسوس ہے کہ اہلِ سنت بھی اسی شیعی رو میں بہہ گئے ہیں اور ان کے ہاں بھی محرم کے آغاز کے ساتھ ہی شادی بیاہ کا سلسلہ یک دم رک جاتا ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی وجہ نہیں کہ جس کی رو سے اس مہینے میں شادی بیاہ کی تقریبات کو ممنوع قرار دیا جائے۔ اگر کسی کا سانحہ شہادت اس کے لیے کوئی معقول وجہ ہوتی تو پھر شادی کسی مہینے میں ممکن نہ ہوتی کیونکہ تاریخ اسلام میں شہداء کی قطار بڑی لمبی ہے اور شاید ہی کوئی مہینا ایسا ہو جس میں کسی کی شہادت واقع نہ ہوئی ہو۔ (حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

30 ذوالحجہ 1433ھ جمعة المبارک 16 تا 22 نومبر 2012ء

شمارہ 44 جلد 64

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور

فون نمبر : 042-3735 4406

فیکس نمبر : 042-37229802

رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال -/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

ادار یہ

بیان

ملک عصمت اللہ

سوموار ۵ نومبر کی شام بہ یک وقت یا قدرے تقدیم وتاخیر کے ساتھ (کیونکہ اس بارے میں روایات مختلف ہیں) دو چیفس: چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز کیانی اور چیف جسٹس جناب افتخار محمد چوہدری کے بیانات جاری ہوئے۔ اگر ان بیانات کی اندرونی شہادتوں پر غور کیا جائے تو چیف جسٹس کا بیان دفاعی نوعیت کا معلوم ہوتا ہے۔ بات معمولی تھی لیکن میڈیا نے بات کا بتنگڑ بنا کر ان بیانات کے حوالے سے دو اہم اداروں کو ایک دوسرے کے مدمقابل لاکھڑا کیا، اس لیے ہم نے ضروری سمجھا کہ ان بیانات کا اختصار کے ساتھ جائزہ پیش کریں۔

آرمی چیف آف سٹاف جنرل پرویز کیانی نے اپنے بیان میں کہا: ''عوام کی حمایت ہی فوج کی طاقت کا منبع ہے۔ اس کے بغیر قومی سلامتی کا تصور بے معنی ہے۔'' چیف آف آرمی سٹاف کا یہ فرمان ایک سو ایک فی صد درست ہے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران کے مناظر آج بھی نظروں کے سامنے گھوم رہے ہیں۔ فوجی قافلے جس راستے سے گزرتے لوگ ان کی راہوں میں پلکیں بچھاتے اور ان کو دیکھ کر جوش اور جذبے کے ساتھ نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے۔ فوجی جوان بھی عوام کا یہ جذبہ دیکھ کر شوق شہادت کے جذبے سے سرشار ہو جاتے۔ انھوں نے اس جنگ کے دوران ایسے ایسے کارنامے سرانجام دیے کہ تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ چیف آف آرمی سٹاف نے یہ بھی کہا: ''کوئی بھی دانستہ یا نادانستہ کوشش جو فوج اور عوام میں دراڑیں ڈالنے کا باعث بنے، وہ وسیع قومی مفاد کے منافی ہوگی۔''

ان کا یہ بیان بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے لیکن جس پس منظر میں یہ بات کہی گئی ہے اس نے اس کے حسن وافادیت کو گہنا دیا ہے۔ قانون کی پابندی اور عدلیہ کے فیصلوں کو تسلیم کرنے سے عوام اور فوج میں دراڑیں نہیں پڑتیں۔ اگر ایسا ہوا ہے تو اس کی وجوہات کچھ اور ہیں جن میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر اپنے لوگوں کے خلاف آپریشن اور لوگوں کو ملکی مفاد کے نام پر غائب کرنا سرفہرست ہیں۔

انھوں نے یہ اعتراف بھی کیا کہ ماضی میں ہم سب نے غلطیاں کی ہیں۔ ان غلطیوں کا اعتراف کرنے سے کیا غلطیوں کا ازالہ ہوسکتا ہے؟ یحییٰ خان کی غلطی سے پاکستان دولخت ہوگیا۔ کیا اس غلطی کا اعتراف پاکستان کو دوبارہ متحد کرنے میں مددگار ہوسکتا ہے! پرویز مشرف کی حماقتوں کا ازالہ ......جس سے پاکستانی فوج کی عزت ووقار داؤ پر لگ گیا تھا...... اس اعتراف سے ممکن ہے؟ ازالہ تو صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ جو پالیسیاں انھوں نے بنائیں اور اختیار کیں ان کو یکسر ترک کر کے ایسی پالیسیاں اختیار کی جائیں جو ان کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کا ازالہ کرسکیں۔

پاکستانی فوج کی عزت ووقار بحال کرنے کے لیے جنرل پرویز کیانی کی کوششیں قابل صد تحسین ہیں لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ مشرف کی نام نہاد دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ میں شمولیت کا ازالہ اب تک نہیں ہوسکا جس کی وجہ سے ہماری فوج اب تک ایک ایسی بے ثمر جنگ میں الجھی ہوئی ہے جس کا کوئی جواز ہے نہ فائدہ۔ مشرف نے اس جنگ میں کودنے سے پہلے کیا عوام کی رائے معلوم کی تھی کہ ساری قوم اس جنگ پر متفق ہے؟ گستاخی معاف! اگر ہم یہ کہیں کہ پوری قوم کا اس پر اتفاق نہیں بلکہ اس جنگ نے قوم کو مختلف دھڑوں میں تقسیم کر دیا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اس لیے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ جنرل پرویز کیانی جہاں ماضی میں کی گئی غلطیوں کا جائزہ لے رہے ہیں وہاں اس غلطی کا ازالہ کرنے کی بھی کوشش کریں اور اس بے نتیجہ جنگ سے قوم کو نجات دلائیں۔

جہاں تک جنرل کیانی کے خطاب کے پہلے حصے کا تعلق ہے تو اس سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ ان کا رُخِ خطاب بغیر نام لیے سپریم کورٹ کی

طرف ہے۔اس سے یہ بھی عیاں ہے کہ وہ ایک ادارے کے سربراہ کی حیثیت سے چند افراد......جن پر آئین وقانون کی خلاف ورزی کا الزام ہے......کا دفاع کررہے ہیں اوران کے متوازن مزاج کے باوجود اس میں جوش اور تلخی کا عنصر بھی شامل ہوگیا ہے۔ان کے اس فرمان کے بعد کہ ''بہتر ہوگا کہ ہم فیصلے قانون پر چھوڑ دیں کیونکہ ہم سب قانون کی عملداری چاہتے ہیں۔'' ہم ان سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ملزموں کا دفاع کس قانون کا تقاضا ہے اور قانون پر عمل داری کا یہ کون سا طریقہ ہے؟

سپریم کورٹ نے کسی ملزم کو مجرم بھی نہیں ٹھہرایا بلکہ اس نے یہ گیند حکومت کے کورٹ میں پھینک دی ہے کہ وہ ایف آئی اے کے ذریعے خود تفتیش کرے اور جرم ثابت ہونے پر ان کو سزا دے۔

رہے آرمی چیف کے یہ سوالات کہ ''کیا ہم قانون کی حاکمیت اور آئین کی بالا دستی قائم کررہے ہیں؟ کیا ہم ادارے مضبوط کررہے ہیں یا کمزور؟ ان سوالات کے مثبت جواب چاہئیں۔'' ان سوالات سے سپریم کورٹ پر الزام لگتا ہے اور اس پر عدمِ اعتماد کا اظہار بھی ہوتا ہے اور یہ ملک کی سب سے بڑی عدلیہ پر طاقت کے ذریعے دھونس جمانے کی ناروا کوشش بھی ہے۔اس کے ردعمل میں چیف جسٹس نے صرف اتنا کہا کہ ''وہ دن گئے جب ملکی استحکام کا تعین میزائلوں اور ٹینکوں سے ہوتا تھا۔اس میں انھوں نے ماضی کی ملکی تاریخ کا حوالہ تو دیا ہے لیکن کسی ادارے کے اختیارات کو چیلنج نہیں کیا اور نہ اس کے حال پر سوال اٹھائے ہیں۔ہاں، انھوں نے یہ یاد دلانے کی ضرور کوشش کی ہے کہ سپریم کورٹ ہی حتمی فیصلہ کرنے کا ادارہ ہے۔انھوں نے اصغرخاں کیس کے تفصیلی فیصلے میں لکھا ہے کہ آئین اور قانون کی خلاف ورزی میں فوج بہ حیثیت ادارہ شامل نہیں بلکہ چند افراد ذاتی حیثیت سے فوج کی بدنامی کا باعث بنے ہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر ہماری تمنا اور آرزو یہ تھی اور ہے کہ کاش آرمی چیف ایسا بیان نہ دیتے جس سے اداروں کے درمیان باہمی خوش گوار تعلقات پر کوئی حرف آتا اور اسے جاری کرنے سے پہلے اس پر تھوڑا مزید غور کرلیا ہوتا۔

حیف جسٹس صاحب نے اپنے بیان میں جو سوالات اٹھائے ہیں ان کا رخ آرمی کی طرف نہیں بلکہ یہ سوالات موجودہ ملکی سیاسی نظام کے بارے میں ہیں۔جب وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ ''کیا ہم صلاحیت اور محنت کی قدر کرتے ہیں؟'' تو اشارہ یقیناً میرٹ کو نظر انداز کرکے اقرباء نوازی، رشوت خوری اور سفارش کی لعنت اور منی لانڈرنگ اور قتل وغارت قسم کے جرائم کی طرف ہے جو اس وقت سکہ رائج الوقت بنے ہوئے ہیں۔'' کیا قانون کی حکمرانی اور آئین کی بالادستی کے اصول کا اطلاق صحیح ہورہا ہے؟'' تو ان کا اشارہ پیپلز پارٹی کی حکومت کی طرف ہے جس نے سپریم کورٹ کے فیصلوں کو نہ ماننے کی روش اپنا رکھی ہے۔جب وہ یہ پوچھتے ہیں کہ ''ملک کے شہریوں کو نظام پر اعتماد ہے اور کیا شہری سمجھتے ہیں کہ انھیں خوابوں کی تعبیر شفاف اور درست طریقے سے مل رہی ہے؟'' تو یقیناً ان کا اشارہ ملک کی موجودہ عمومی صورت حال کی طرف ہے جہاں عوام مہنگائی کی چکی میں پس رہے ہیں اور ملک میں امن وامان کو ترس گئے ہیں۔اور جب وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ ''کیا موجودہ نظام میں طاقت ہے کہ بددیانتوں اور منافع خوروں کی حوصلہ شکنی کرے؟'' تو ان کا اشارہ حکومتی عہدہ داروں کی طرف ہے جن پر بددیانتی اور کرپشن کے سوسو الزام ہیں۔اور وہ یہ سوال کرنے میں حق بجانب بھی ہیں، اس لیے کہ انھیں ملک میں قانون کی حکمرانی نہیں بلکہ جنگل کے قانون کی حکومت نظر آتی ہے۔جعلی ڈگریوں، دہری شہریت اور صدر کی سیاسی سرگرمیوں ایسے کئی معاملات ہیں جو حل ہوتے نظر نہیں آتے۔انھوں نے یہ سوالات ملک کے خیرخواہ کی حیثیت سے پوری دردمندی کے ساتھ اٹھائے ہیں۔ہے کوئی جوان کے دل کے درد کو جانے اور سمجھے؟ انھوں نے تو قوم اور حکومت کو آئینہ دکھایا ہے۔اگر اس آئینے میں اپنا چہرہ صاف دکھائی نہیں دیتا تو آئینہ توڑنے کی بجائے چہرہ سنوارنے کی فکر کرنی چاہیے۔تاہم قوم امید کرتی ہے کہ اگر ان کے درد کو سمجھنے والا آج نہیں تو کل ضرور ہوگا ؎

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

درس قرآن

قسط نمبر ۴۷

تفسیر سورۂ یٰسٓ

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِیۡمٍ ﴾ پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ان کے لیے وہ سب کچھ ہے جو وہ طلب کریں گے۔ اس آیت میں ایک اور بڑی سرفرازی کا ذکر ہے جس سے اہلِ جنت کو نوازا جائے گا اور وہ ہے ''سلام''، یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے انھیں ''سلام'' کا پیغام ملے گا:

﴿تَحِیَّتُھُمۡ یَوۡمَ یَلۡقَوۡنَهٗ سَلٰمٌ﴾ [الأحزاب: ٤٤]

''ان کی دعا، جس دن وہ اس سے ملیں گے، سلام ہوگی۔''

سلام کا یہ پیغام فرشتوں کی طرف سے تو اس وقت سے ہوگا جب وہ اللہ کے مہمان بننے کے لیے اس دنیا سے جا رہے ہوں گے۔

﴿الَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰھُمُ الۡمَلٰٓئِکَةُ طَیِّبِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمُ ادۡخُلُوا الۡجَنَّةَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾

[النحل: ٣٢]

''جنھیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ پاک ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں: سلام ہو تم پر، جنت میں داخل ہو جاؤ اس کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے۔''

یہی خوش نصیب جب جنت میں داخل ہوں گے تب بھی فرشتے انھیں سلام کہیں گے:

﴿وَسِیۡقَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّھُمۡ اِلَی الۡجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡھَا وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُھَا وَقَالَ لَھُمۡ خَزَنَتُھَا سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡھَا خٰلِدِیۡنَ﴾ [الزمر: ٧٣]

''اور وہ لوگ، جو اپنے ربّ سے ڈر گئے، گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے اس حال میں کہ اس کے دروازے کھول دیے گئے ہوں گے اور اس کے نگران ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو، تم پاکیزہ رہے، پس اس میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والے۔''

یہی بات ایک اور اسلوب میں بھی فرمائی گئی ہے:

﴿جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَھَا وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِھِمۡ وَاَزۡوَاجِھِمۡ وَذُرِّیّٰتِھِمۡ وَالۡمَلٰٓئِکَةُ یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡھِمۡ مِّنۡ کُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَی الدَّارِ﴾ [الرعد: ٢٣، ٢٤]

''ہمیشگی کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادوں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولادوں میں سے جو نیک ہوئے اور فرشتے ہر دروازے میں سے ان پر داخل ہوں گے۔ سلام ہو تم پر اس کے بدلے جو تم نے صبر کیا، سو اچھا ہے اس گھر کا انجام۔''

جنت ''دار السلام'' (سلامتی کا گھر) ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اہلِ جنت کے لیے سلام ہوگا، فرشتے بھی انھیں سلام کہیں گے۔ باہم جنت میں ملیں گے تو "سلاماً سلاماً" کہیں گے۔ بلکہ یہاں دنیا میں بھی ((أفشوا السلام)) کا حکم ہے، یعنی سلام کو پھیلاؤ، باہم "السلام علیکم" کہو۔ انبیائے کرام پر دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا، چنانچہ فرمایا:

﴿سَلٰمٌ عَلٰی نُوۡحٍ فِی الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ [الصافات: ٧٩]

''نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو۔''

﴿سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ﴾ [الصافات: ١٠٩]

''ابراہیم پر سلام ہو۔''

﴿سَلٰمٌ عَلٰی مُوۡسٰی وَھٰرُوۡنَ﴾ [الصافات: ١٢٠]

”سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر۔“

﴿سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ٥﴾ [الصافات: ۱۳۰]

”سلام ہو الیاسین پر۔“

یحییٰ علیہ السلام کے بارے فرمایا:

﴿وَ سَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَ یَوْمَ یَمُوْتُ وَ یَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا٥﴾ [مریم: ۱۵]

”اور سلام اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن فوت ہوگا اور جس دن زندہ ہو کر اٹھایا جائے گا۔“

تین مواقع پر انسان پر وحشت ہوتی ہے: پیدائش کے وقت جب وہ رحم مادر سے باہر آتا ہے، جب دنیا سے جاتا ہے اور جب قیامت کے روز اُٹھے گا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ان تینوں مواقع پر سلامتی میں ہوں گے۔

فرشتے بھی ملاقات پر انھیں سلام کہتے تھے۔ ام المومنین خدیجہ الکبریٰ کس قدر خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں سلام بھیجا، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا:

"یا رسول الله! هذه خديجة قد أتت معها إناء فيه إدام أو طعام أو شراب، فإذا هي أتتك فاقرأ عليها السلام من ربها ومني، وبشرها ببيت في الجنة من قصب."

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ۳۸۲۰)

”اے اللہ کے رسول! یہ خدیجہ آپ کی خدمت میں ایک برتن اٹھائے آرہی ہیں جس میں سالن ہے یا کھانا ہے یا پانی ہے۔ جب یہ آئیں تو ان پر ان کے ربّ کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہیں اور انھیں جنت میں ایسے گھر کی بشارت دیں جو ایک ہی موتی کا بنا ہوا ہوگا۔“

نسائی وغیرہ میں ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر فرمایا:

"إن الله هو السلام، وعلى جبريل السلام، وعليك يا رسول الله السلام ورحمة الله وبركاته." (فتح الباري: ۱٤٠/۷)

یعنی اللہ تعالیٰ تو خود سلامتی کا مالک ہے، جبریل پر سلام ہو اور اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت و برکت ہو۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے عائشہ! جبریل تمھیں سلام کہتے ہیں۔“ میں نے عرض کیا: اور ان پر بھی سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھتی۔

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ۳۷٦۸)

یہ اہلِ جنت کا بہت بڑا اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی انھیں سلام کہیں گے۔ اور کتنے خوش نصیب ہیں وہ حضرات جنھیں اس دنیا میں اللہ نے سلام کہا اور اس کے فرشتوں نے بھی۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اہلِ جنت جنت کی نعمتوں میں مشغول ہوں گے کہ ایک نور ظاہر ہوگا۔ اہل جنت اوپر دیکھیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اوپر سے ان کی طرف متوجہ ہوگا اور فرمائے گا: "السلام عليكم يا أهل الجنة!" ”اے جنتیو! تم پر سلام ہو۔“ یہی ہے: ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ٥﴾ [یٰس: ۵۸] اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو دیکھیں گے اور جنتی اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جب تک دیکھتے رہیں گے وہ جنت کی کسی نعمت کی طرف التفات نہیں کریں گے۔“

یہ روایت ابن ماجہ (رقم الحدیث: ۱۸۴)، بزار، ابونعیم کی ”صفة الجنة“ اور کتاب البعث للبیهقي میں ہے مگر یہ سخت ضعیف ہے۔ اس کا راوی عبداللہ بن عبید اللہ ابوعاصم العبادانی ”واہ“ یعنی سخت ضعیف ہے۔ (میزان: ۲/ ۴۵۸) اور اس کا استاد فضل بن عیسیٰ ”منکر الحدیث“ ہے اور بالاتفاق ضعیف ہے۔ (تقریب، ص: ۲۷۷)

علامہ قرطبی نے یہی روایت اپنی تفسیر (۱۵/ ۴۵) میں ذکر کی ہے اور اس کا راوی جریر بن عبداللہ البجلی بتلایا ہے مگر یہ درست نہیں۔ خود انھوں نے التذکرۃ (ص: ۱۹۲) میں اسے حضرت جابر بن عبداللہ سے ہی نقل کیا ہے۔ اہل جنت کے لیے جنت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی

زیارت حق ہے مگر آیت میں سلام کا مصداق مرفوع روایت کے تناظر میں اوراس کی مزید تفصیل جو بیان ہوئی ہے وہ بہر حال ضعیف ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام ابن جریر رحمہ اللہ کے حوالے سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا اثر نقل کیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب جنتیوں اور جہنمیوں کا فیصلہ فرما دیں گے تو اَبر کے سائے میں فرشتوں کے ہمراہ اہلِ جنت پر متوجہ ہوں گے اور انھیں سلام کہیں گے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ ﴿وَلَهُمْ مَا يَدَّعُونَ﴾ میں جو وعدہ تھا اس سے مراد یہ سلام ہے اور یہی تاویل محمد بن کعب قرظی نے کی ہے۔ اور اہل جنت سلام کا جواب دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: مجھ سے مانگو کیا مانگتے ہو۔ وہ عرض کریں گے: ہم آپ کی رضا کے طلب گار ہیں۔ اللہ فرمائیں گے: میں نے تمھیں عزت کے مقام پر رکھا ہے، یہ میری رضا ہے۔ جنتی کہیں گے: اے اللہ! ہم کیا طلب کریں! آپ نے ہمیں اتنا کچھ عطا فرمایا ہے، اگر ہم تمام جنوں اور انسانوں میں تقسیم کریں تب بھی یہ کم نہیں ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے ان میں تحائف تقسیم کریں گے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت غریب ہے جسے کئی طرق سے امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

﴿سَلٰمٌ﴾ یہاں یہ حقیقت بھی پیش نگاہ رہنی چاہیے کہ ''السلام'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسمائے حسنہ میں ایک اسم مبارک ہے، جیسا کہ سورۃ الحشر میں ہے:

﴿الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ﴾ [الحشر: ٢٣]

''(وہ اللہ) بادشاہ ہے، نہایت پاک، سلامتی والا، امن دینے والا۔''

رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ .))

''اے اللہ! آپ سلام ہیں اور سلامتی آپ کی طرف سے ہے، برکت والا ہے تُو اے جلال واِکرام والے!''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو یوں کہتے تھے: "السلام على الله" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إن الله هو السلام ولكن قولوا: التحيات لله ...... إلخ)) (صحيح بخاري: ٨٣١، ٨٣٥ وغيره)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس اسم مبارک کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے لیے ہی کامل سلامتی ہے۔ اس کی سلامتی معرض خطر وزوال میں نہیں اور وہ ہر عیب ونقص سے سلامتی میں ہے، وہی دوسروں کو سلامتی عطا کرتا فرماتا ہے۔ جنت کا نام ''دارالسلام'' بھی اسی لیے ہے کہ اس میں موت، بیماری اور ہر قسم کی آفات وآلام سے سلامتی ہوگی، چنانچہ فرمایا:

﴿لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ [الأنعام: ١٢٧]

''انھی کے لیے ان کے رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے۔''

﴿وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾ [يونس: ٢٥]

''اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔''

دنیا دار الهم ہے اور آخرت دار الأمن ہے۔ سلامتی اور امن جنت ہے، اسی لیے تو فرمایا ہے:

﴿وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ [العنكبوت: ٦٤]

''اور بے شک آخری گھر یقیناً وہی اصل زندگی ہے، اگر وہ جانتے ہوتے۔''

اللہ تعالیٰ سب اہل ایمان کو دنیا وآخرت میں سلامتی بخشے اور سلامتی کا گھر عطا فرمائے، آمین۔

اس آیت سے سلف اہل سنت کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام کرتے ہیں۔ آواز اور الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی آواز، مخلوق کی آواز کی طرح نہیں۔ امام بخاری نے الجامع الصحیح کے آخری ابواب میں اس پر متعدد دلائل ذکر کیے ہیں۔

درسِ حدیث

تميمة الصبي في ترجمة الأربعين من أحاديث النبي

بچوں کے لیے چالیس جامع احادیث مبارکہ

مؤلف: نواب سیّد محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ
تنقیح وتسہیل: حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

۳۱۔ سرکہ عمدہ سالن ہے:

((نعم الإدام الخل .)) (رواہ مسلم)

''سرکہ عمدہ سالن ہے۔''

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں روٹی سالن سے نہیں کھاؤں گا، پھر وہ سرکے سے روٹی کھالے تو وہ شخص حانث (قسم توڑنے والا) سمجھا جائے گا کیونکہ سرکہ بھی حدیث مذکور کی رو سے سالن ہے، نیز دوسری روایت میں آیا ہے کہ سرکہ پیغمبروں کا سالن ہے۔ سرکے کے فائدے کتبِ طب میں بہت لکھے ہیں۔

۳۲۔ مہمان نوازی تین دن ہے:

((الضيافة ثلاثة أيام .)) (رواہ أبوداود)

''مہمان نوازی تین دن ہے۔''

فائدہ: "النهايه للجزري" میں اس حدیث کا معنی یہ لکھا ہے کہ پہلے دن بہ قدر مقدور (طاقت کے مطابق) کچھ تکلف کے ساتھ مہمان نوازی کرے اگر نیکی اور احسان کی گنجائش ہو۔ اور دوسرے تیسرے دن جو موجود ہو وہ مہمانوں کے سامنے پیش کردے، جو آپ کھائے بلا تکلف اُسے بھی کھلائے۔ اس کے بعد اس کو اتنا زادِ راہ دے دے کہ ایک رات دن کا سفر طے ہوسکے۔

مہمان اپنے مقدر میں لکھی ہوئی روزی کھاتا ہے اور ثواب میزبان کو ملتا ہے ؎

شکر بجا آر کہ مہمانِ تُو ۔۔۔ روزیِ خودمی خورد از خوانِ تُو

حدیث میں آتا ہے کہ مہمان اپنا رزق لے کر آتا ہے اور جب جاتا ہے تو گھر والوں کے گناہ لے جاتا ہے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ ایک مسلمان بھائی کے گھر میں مہمان ہزار برکتیں اور ہزار رحمتیں لے کر داخل ہوتا ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ مسافر وغیرہ کی مہمان نوازی کرنا اپنے گھر والوں اور بھائی بندوں پر برکت ورحمت کا دروازہ کھولنا ہے۔

اور سنت یہ ہے کہ میزبان مہمان کو رخصت کرتے وقت گھر کے دروازے تک اُس کے ساتھ جائے۔ اور مہمان نوازی سے آخرت میں ثواب اور دنیا میں نیک نامی حاصل ہوتی ہے ؎

بزرگاں مسافر بجاں پرورند ۔۔۔ کہ نامِ نکوشاں بہ نیکی برند

۳۳۔ نظر کا لگنا برحق ہے:

((العين حق .)) (رواہ مسلم)

''نظر کا لگ جانا برحق ہے۔''

فائدہ: یعنی آدمی یا کسی چیز کو ایسے موقعوں پر نظرِ بد لگ جانا جب کسی کی آنکھ کو بھا جائے اور اچھی لگے، ایسے اثرات (جادو کی طرح) بعض نفوس میں اللہ نے رکھے ہیں جو تقدیرِ الٰہی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیرِ الٰہی پر سبقت کرنے والی ہوتی تو وہ نظر لگنا ہوتا۔

اور نظر لگنا قرآن سے بھی ثابت ہے، اس لیے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی:

﴿لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَ مَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ﴾

[يوسف: ٦٧]

''اے بیٹو! ایک ہی دروازے سے (مصر میں) داخل نہ ہونا بلکہ جُدا جُدا دروازوں سے داخل ہونا، میں تم کو اللہ تعالیٰ کی کسی چیز سے نہیں بچا سکتا۔''

إكـليل (في استنباط التنزيل للسيوطي) میں لکھا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ چشم بد کی تاثیر حق ہے۔ (شرح السنة)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ کو غسل کرتے ہوئے دیکھا تو کہا: ''بخدا، میں نے ایسا حسین وجمیل بدن آج تک کسی مرد اور عورت کا نہیں دیکھا جیسا سہل کا جسم ہے۔'' پس حضرت سہل رضی اللہ عنہ کو نظر لگ گئی اور وہ زمین پر گر پڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ اس طرح سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ نہاتے نہاتے زمین پر گر پڑے ہیں اور بدستور اُن کی یہی حالت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کچھ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمھیں کسی پر شک ہے کہ اس کی نظر لگی ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ پر گمان ہے (کہ وہ اُس وقت وہاں سے گزرے تھے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اس پر بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ کیوں تم اپنے کسی بھائی کو ہلاک کرتے ہو؟ ایسے موقع پر برکت کی دعا کیوں نہ کی؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ سہل رضی اللہ عنہ کے لیے غسل کرو۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے اپنا منہ، دونوں ہاتھ، کہنیاں، زانو، پاؤں کی انگلیاں اور اُن اعضاء کو جو ازار کے اندر تھے، ایک برتن میں دھویا۔ پھر وہ پانی حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے اوپر ڈالا گیا۔ پس سہل اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اس طرح چلنے پھرنے لگے گویا انھیں کچھ نہ تھا، یعنی فی الفور صحت یاب ہوگئے۔

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جان، مال اور دیگر اشیاء کو، جو کسی کی نظر میں اچھی لگیں، نظر لگ جانا ثابت و متحقق ہے، البتہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔

بعض نظر لگانے والوں کا کہنا ہے کہ جب ہم کسی چیز کو اچھا سمجھ کر دیکھتے ہیں تو ایک حرارت ہماری آنکھوں سے نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نظر لگانے والے کی آنکھ سے ایک زہر بھری قوت نکل کر اور ہوا سے مل کر معیون (نظر زدہ) کو جا لگتی ہے زہر کی مانند کہ وہ زہر سانپ بچھو سے نکل کر کاٹے ہوئے میں اثر کرتا ہے۔

بہرحال ایک چیز تیر کی مانند عائن (نظر لگانے والے) کی طرف سے معیون (نظر زدہ) کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ اگر درمیان میں کوئی مانع نہ ہوا تو کارگر ہوتی ہے اور اگر کوئی مانع قوی حائل ہوا، جیسے: دعاء، تعویذ وغیرہ تو تاثیر سے باز رہتی ہے۔ اور کبھی بہ سبب قوتِ مانع کے نظرِ بد پھر کر خود عائن پر جا گرتی ہے، اس لیے کہ جس طرح سے بعض نفوس میں یہ خاصیت رکھی ہے، اسی طرح بعض نفوسِ کامل کو قوتِ دفع بھی بخشی گئی ہے۔

۳۴۔ کلام سے پہلے سلام ہے:

((السلام قبل الكلام .)) (رواه الترمذي)

''کلام سے پہلے سلام ہے۔''

فائدہ: یعنی ملاقات کے وقت پہلے سلام کرے، پھر کلام۔ سلام سے پہلے کلام کرنا ٹھیک نہیں۔ ابتدائے اسلام میں سلام مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے کے لیے مقرر تھا، گویا سلام ہر مسلمان کے لیے لازم ہے، چاہے اُس سے (پہلے) ملاقات ہو یا نہ ہو۔ اور مرد کو چاہیے کہ بیوی کو سلام کرے۔ اسی طرح گھوڑا سوار (یعنی سواری والا) پیادہ کو، بڑا چھوٹے کو، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور بہت سے افراد تھوڑے لوگوں کو سلام کریں۔ اور یہود (اور دیگر غیر مسلموں) کو خود سلام نہ کرے، البتہ ان میں سے کوئی سلام کرے تو ان کو جواب میں صرف "وعلیکم" کہہ دے، یعنی ''تم پر وہ چیز جس کے تم مستحق ہو۔'' اور کافر کے جواب میں "هَدَاكَ اللّٰهُ" (اللہ تمھیں ہدایت دے) کہے۔

امام نخعی کہتے ہیں کہ بہ وقت ضرورت ذمی (اسلامی مملکت میں رہنے والے غیر مسلم) کو ابتداءً سلام کہا جاسکتا ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس سے منع فرماتے ہیں۔ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں سلام ومصافحہ کچھ نہ کرے، جب ان کے پاس جائے تو "اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى" ''اُس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے'' کہے۔

اور جو شخص شطرنج یا نرد کھیلنے میں مصروف ہو یا قضائے حاجت کے لیے بیٹھا ہوا ہو یا بلا عذر برہنہ ہو حمام یا کسی اور مقام میں تو ان کو سلام نہ کرے۔ امام ابویوسف اسی بات کے قائل ہیں۔ اور خطبے اور تلاوتِ قرآن میں جب کہ بہ آواز بلند ہو یا حدیث کی روایت یا علم کا درس وذکر ہو یا اذان و اقامت ہو تو بھی سلام نہ کرے کہ ان صورتوں میں ترکِ سلام ادب ہے۔ اور سلام زبان سے کہے، ہاتھ سر پر نہ رکھے اور نہ کمر جھکائے کہ یہ خلافِ سنت بلکہ حرام ہے۔

مقامِ رسالت ﷺ

محبت رسول ﷺ کی چند علامتیں

محمد حامد شفیع

اللہ رب العالمین کے بعد اس کے رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت ومودت ایمان کا لازمی جز ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ نبی ﷺ سے اپنی جان، مال اور اہل وعیال سے بھی زیادہ محبت کرے کیونکہ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:

((لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والده وولده والناس أجمعین.))

(صحیح بخاري، رقم الحدیث: ١٥)

''کسی بھی فرد کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے آباء واجداد، اولاد واحفاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔''

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں کی سخت مذمت کی ہے اور انھیں عذاب کی وعید سنائی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں باپ، بیٹے، بھائی، بیوی، قرابت دار، کسب شدہ مال، تجارت اور بلند وبالا عمارت کی محبت کو ترجیح دیتے ہیں اور ان کے حصول کی جستجو میں اپنی چند دنوں کی زندگی کو رائیگاں کردیتے ہیں، حالانکہ مذکورہ بالا چیزیں یوم آخرت کو ان کے کچھ کام آنے والی نہیں ہیں، جیسا کہ فرمایا:

﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ﴾ [الشعراء: ٨٨]

''جس دن مال واولاد کچھ کام نہ آئے گی۔''

﴿وَلَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا﴾ [المعارج: ١٠]

''اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔''

﴿لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْھُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ﴾ [عبس: ٣٧]

''ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایسی فکر دامن گیر ہوگی جو اس کے لیے کافی ہوگی۔''

یہ آیات مذکورہ بالا بات کی تصدیق کے لیے کافی ہیں۔ ہر شخص اس بات سے واقف ہے کہ ہر عمل کا ایک مخصوص طریقہ کار ہوتا ہے۔ اگر اس عمل کو اس کے متعین کردہ قوانین کے مطابق انجام دیا جائے تو اس میں کامیابی کی قوی امید ہوتی ہے لیکن اگر اس متعین کردہ طریق سے انحراف کیا جائے تو اس عمل میں کامیابی مشکل بلکہ بعض اوقات محال ہوجاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ سے محبت بھی اگر دین وشریعت کے قواعد وضوابط کے مطابق کی جائے تو اس کے اچھے فوائد وثمرات کا حصول لازمی ہے۔ لیکن اگر خود ساختہ طریقوں اور گھڑے ہوئے افعال سے اس مبارک عمل کو انجام دیا جائے تو اس سے حصولِ اجر وثواب کی امید تو کجا اس کے وبال جان بننے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے کیونکہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((من عمل عملا لیس علیه أمرنا فهو رد.))

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ١٨،١٧)

''جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے اور مزید فرمایا:

((إیاکم ومحدثات الأمور، فإن کل محدثة بدعة وإن کل بدعة ضلالة.)) (مسند أحمد)

''لوگو! دین میں نئی ایجادات سے بچو کیونکہ دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

لہٰذا رسولِ اکرم ﷺ سے محبت بھی شریعت کی حدود وقیود میں رہ کر کرنی چاہیے۔ آج مسلمانوں کا ایک طبقہ ہر قسم کی گمراہی وضلالت میں مبتلا ہے حتی کہ شرکیہ اعمال بھی اس سے سرزد ہوتے ہیں لیکن بایں

ہمہ وہ اپنے آپ کو سب سے بڑا محبّ رسول باور کراتا ہے اور خود کو عاشق رسول کے نام سے موسوم کرتا ہے اور وہ لوگ جو ان کے باطل طریقوں کو چھوڑ کر صاف ستھری شریعت کے مطابق زندگی گزارتے ہیں انھیں دشمن رسول اور دشمن دین سمجھتا ہے۔

ذیل میں قرآن وحدیث کے مطابق کچھ ایسی علامات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن سے محبان رسول اور غیر محبان رسول کے درمیان آسانی سے تفریق کی جاسکتی ہے اور ہر شخص اس کے تناظر میں یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ نبی ﷺ سے حقیقی محبت کرنے والا کون ہے؟

ا۔ اتباعِ رسول ﷺ:

آپ ﷺ سے محبت کرنے کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ آپ کی اتباع کی جائے اور زندگی کے ہر موڑ پر آپ کے بتائے ہوئے طریقوں سے راہنمائی حاصل کی جائے کیونکہ اللہ رب العالمین نے آپ کو کائنات ارضی کے تمام انس وجن کے لیے اسوہ بنایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ۲۱]

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی زندگی) میں عمدہ نمونہ موجود ہے۔''

قرآنِ مجید میں جا بجا ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ کا فرمان صادر کر کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں پر آپ کی اطاعت واتباع کو لازم قرار دیا ہے اور جو آپ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری سے انحراف کرے اور آپ کے احکام کی خلاف ورزی کرے اللہ نے اس کے ایمان کی نفی کی ہے اور اسے فتنہ ودردناک عذاب کی دھمکی دی ہے، فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ [النساء: ۶۵]

''سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں۔''

مزید فرمایا:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [النور: ۶۳]

''سنو! جو لوگ حکمِ رسول کی مخالفت کرتے ہیں، انھیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انھیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔''

اتباعِ نبوی صرف علامتِ محبت ہی نہیں بلکہ اللہ سے محبت کرنے کی بہت بڑی نشانی ہے، چنانچہ جب نصاریٰ کا وفد مدینہ میں آیا اور اپنے آپ کو اللہ کا محبّ ظاہر کیا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی محبت کی صداقت کا معیار اتباعِ نبوی کو بنایا اور یہ حکم نازل فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ [آل عمران: ۳۱]

''کہہ دیجیے! اگر اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابع داری کرو خود اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔''

معلوم ہوا کہ جو نبی ﷺ کے احکام واوامر کی پیروی کرے وہی ان سے محبت کرنے والا اور ان کی تکریم کرنے والا ہے۔ اس مفہوم کو ایک عربی شاعر محمود بن حسن الوراق نے کیا خوب انداز میں بیان فرمایا ہے ؎

لو كان حبك صادقا لأطعته
إن المحب لمن يحب مطيع

۲۔ بہ کثرت نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا:

آپ ﷺ سے محبت کی دوسری علامت یہ ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا ذکر خیر ہو علی الفور زبان پر درود کا ورد جاری ہوجائے اور نبی ﷺ کی ذات پر صلاۃ وسلام پڑھنے کے لیے دل تڑپ اٹھے۔ اور یہ جذبہ کیوں کر نہ پیدا ہو جب کہ آپ ﷺ مسلمانوں کے لیے دین ودنیا کی سعادت کا ذریعہ ہیں، چنانچہ اللہ رب العالمین نے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [الأحزاب: ۵۶]

''اللہ تعالیٰ اور فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھی بھیجتے رہا کرو۔''

اور نبی ﷺ نے اپنے اوپر درود بھیجنے کی فضیلت بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علي، فإنه من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا.))

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ٨٤٩)

''جب تم اذان سنو تو جس طرح مؤذن کہہ رہا ہے اسی طرح کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔''

یہ اللہ رب العالمین کا خاص رحم وکرم ہے کہ ایک مرتبہ درود بھیجنے پر دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

لیکن جہاں درود پڑھنے والوں کی یہ فضیلت بتلائی گئی ہے وہیں درود نہ پڑھنے والوں کی سخت مذمت بھی کی گئی ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((البخيل من ذكرت عنده فلم يصل علي.))

(ترمذی، رقم الحديث: ٣٥٤٦ صححه الألباني)

''بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((رغم أنف رجل ذكرت عنده فلم يصل علي.)) (ترمذي، رقم الحديث: ٣٥٤٥ وقال الألباني: حسن صحيح)

''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے لیکن وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

لہٰذا ہمیں آپ ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنا چاہیے تاکہ ہم اللہ رب العالمین کے رحم وکرم سے اپنے دامن کو خزانۂ رحمت سے مالا مال کر لیں۔

ایک بات بہ طور خاص ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ ہمارا درود ماثور (نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق) ہو، غیر ماثور درود اور غیر ماثور طریقوں سے درود بھیجنے سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے بلکہ یہ عمل تو خسارے اور نقصان کا باعث ہے۔

۳۔ آپ ﷺ کے دیدار اور آپ ﷺ سے ملاقات کی تمنا:

ہر مومن اور محبِّ رسول ﷺ کے قلب میں اس بات کی تڑپ ہونی چاہیے کہ اسے دیدارِ نبوی کا شرف حاصل ہو جائے اور آپ ﷺ سے ملاقات کا موقع میسر آ جائے اگرچہ اس کے بدلے میں مال وجائداد اور اہل وعیال ہی کی قربانی کیوں نہ دینا پڑے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے عزائم رکھنے والوں کو اپنا سب سے بڑا محبّ قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((من أشد أمتي إلي حبا ناس يكونون بعدي، يود أحدهم لو رآني بأهله وماله.))

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ٧١٤٥)

''میری امت میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور ان کی خواہش یہ ہوگی کہ کاش وہ مجھے دیکھ لیتے، خواہ اس کے لیے انھیں اہل وعیال اور مال ومنال کی قربانی کیوں نہ دینا پڑے۔''

جو شخص بھی اس تمنا اور جذبے کے ساتھ زندگی گزارے گا اور اس کے لیے اپنی تمام تر کاوشوں کو صرف کرے گا ان شاء اللہ قیامت کے دن اللہ کے رسول ﷺ سے ملاقات ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے حوضِ کوثر کا جام بھی نوش کرے گا۔ اللهم اجعلنا منهم، آمين.

۴۔ نبی ﷺ کے محبوبین سے محبت کرنا:

اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرنے کی چوتھی علامت یہ ہے کہ ان لوگوں سے بھی محبت کی جائے جن سے سرورِ کائنات محبت کرتے تھے، یعنی آپ ﷺ کے اہل وعیال اور آپ ﷺ کے صحابہ وتبعین۔ کیونکہ

ایک سچا دوست اور ایک مخلص محبّ اپنے محبوب کے اعزہ واقارب اور اس کے اصدقاء سے بھی محبت کرتا ہے، چنانچہ اہلِ بیت کی تکریم اور ان سے تعلق محبت قائم کرنے پر ابھارتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے تین بار فرمایا:

((أذكّركم الله في أهل بيتي .))

(صحيح مسلم، رقم الحديث : ٦٢٢٥)

’’میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کی یاددہانی کراتا ہوں۔‘‘

یعنی لوگو! میرے اہلِ بیت کے حقوق کی پاس داری کرنا، ان سے محبت ومودت کا معاملہ کرنا کبھی ان کے حقوق کی پامالی نہ کرنا۔

اسی طرح اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من أحب الحسن والحسين فقد أحبني ومن أبغضهما فقد أغضبني .))

(ابن ماجه، رقم الحديث: ١٤٣ حسنه الألباني)

’’جس نے حسن وحسین سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔‘‘

اس حدیث میں آپ ﷺ نے واضح طور پر یہ اصول بتلا دیا کہ اہلِ بیت سے جو محبت کرتا ہے وہی مجھ سے محبت کرتا ہے اور اہلِ بیت سے محبت نہ کرنے والا میرا محبّ کبھی نہیں ہوسکتا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کی وصیت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا تسبوا أصحابي .))

(صحيح بخاري، رقم الحديث : ٣٦٧٣)

’’میرے صحابہ کو گالی مت دو۔‘‘

بلکہ میرے صحابہ کے ساتھ محبت سے پیش آؤ کیونکہ انھیں کے ذریعے ہم تک اسلام پہنچا ہے۔ اگر انھی پر طعن شروع ہوجائے تو پوری شریعت اسلامیہ مطعون ہوجائے گی۔ ان احادیث نبویہ سے ان لوگوں کا دعویٰ محبت باطل ہوجاتا ہے جو نبی ﷺ سے تو محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہیں لیکن اس کے پس پردہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حتی کہ بعض اہل بیت پر بھی دشنام طرازی کرتے ہوئے سب وشتم کے تیروں کی بارش کرتے ہیں۔

یہ کچھ علامات ہیں جن کے ذریعہ نبی ﷺ سے محبت کرنے والوں کے دعاوی کی صداقت وعدم صداقت کو آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور ان لوگوں کی حقیقت کو سمجھا جاسکتا ہے جو اپنے کو ’’عشاق رسول‘‘ کہتے ہیں لیکن طرح طرح کی خرافات وبدعات میں پھنسے رہتے ہیں انھیں نبی ﷺ کا یہ قول یاد نہیں:

((ألا وإنه يجاء برجال من أمتي فيؤخذبهم ذات الشمال فأقول: يا رب! أصحابي ، فيقال: إنك لا تدري ما أحدثوا بعدك . . . فيقال: إنهم لن يزالوا مرتدين على أعقابهم منذ فارقتهم .)) (صحيح بخاري)

’’سنو! قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے، انھیں بائیں طرف پکڑ لیا جائے گا، میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں، چنانچہ آپ کو کہا جائے گا: اے پیغمبر! آپ کو نہیں معلوم کہ انھوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کی تھیں ...... پھر مجھ سے کہا جائے گا: جب سے آپ ان سے جدا ہوئے تھے، یہ لوگ (دین اسلام سے) پھر گئے تھے۔‘‘

اللہ رب العالمین ہمیں اپنے رسول کا سچا محبّ بنائے اور ان کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے، نیز ساتھ ہی ساتھ بدعات وخرافات سے دور رکھے، آمین۔ (بہ شکریہ ماہنامہ ’’محدث‘‘، بنارس)

جناب رمضان سلفی صاحب کے سسر کا انتقال

جناب محمد رمضان یوسف سلفی صاحب کے سسر محترم ماسٹر رفیق احمد ۷۲ برس کی عمر پا کر گزشتہ دنوں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی نماز جنازہ مولانا محمد شریف صاحب (ڈھیسیاں والے) نے پڑھائی۔ قارئین سے مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا کی درخواست ہے۔ (لواحقین)

افاداتِ علمیہ

کن لوگوں کے اور کون سے اعمال مقبول ہیں؟

خطبہ جمعہ از مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ، بہ تاریخ: ۲۱ر نومبر ۲۰۰۸ء

اخذ وترتیب: عبدالواحد گوندل

مسنون خطبے کے بعد آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر: ۱۸ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ﴾ [إبراهيم: ١٨]

سورۃ النور کی آیت نمبر: ۳۹ میں یہ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِّقِيْعَةٍ﴾ [النور: ٣٩]

کافر اور مشرک بعض اچھے کام، یعنی خیرات اور رفاہِ عامہ وغیرہ کے بعض کام کرتے ہیں۔ ان آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ آخرت میں اُن کو ان کے اِن اعمال کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔

رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مشرک اور کافر کو نیک اعمال کا آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی ان کو بعض صورتوں میں اُن کے اعمال کا صلہ دے دیتا ہے۔ اُن کے اعمال راکھ کی مانند ہیں جن کو آندھی اور سیلاب بہا کر ختم کر دیتا ہے یا بھٹ وسراب کی طرح ہیں کہ پیاسے کو ریگستان میں چمکتی ہوئی ریت پانی معلوم ہوتا ہے۔ وہاں جاتا ہے تو وہاں پانی نہیں موت اس کا استقبال کرتی ہے۔ اسی طرح کفار اور مشرکین کے اعمال کا حال ہے:

﴿لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا﴾ [البقرة: ٢٦٤]

اعمال تین قسم کے ہیں: بدنی، زبانی، مالی۔

ان کی قبولیت کے لیے چار شرطیں ہیں، اگر یہ ہوں گی تو مقبول ہوں گے ورنہ ردّ، وہ شرائط یہ ہیں:

۱: ایمان: ...... خالص ایمان سے ہی اعمال قبولیت کا شرف حاصل کر سکتے ہیں۔ کفر اور شرک سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں ان مشرکین کے بارے میں فرمایا جو مساجد کی تعمیر کرتے ہیں:

﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ [التوبة: ١٧]

''یہ لوگ، ان کے اعمال رائیگاں ہیں۔''

اولادِ آدم میں سب سے زیادہ نیک و پاک انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ان سے بھی اگر شرک ہو جاتا تو ان کے اعمال پر بھی پانی پھر جاتا:

﴿لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الأنعام: ٨٨]

مشرکینِ مکہ حاجیوں کی خدمت کرتے تھے۔ پانی، کھانا، رہائش وغیرہ کا بندوبست کرتے تھے۔ اُن کے اِن اعمال کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ ان کی اِس کارکردگی کا اُن کو کچھ بھی فائدہ آخرت میں حاصل نہ ہوگا۔ اس میں بدنی، زبانی اور مالی سب عبادات شامل ہیں۔ ایمان ہوگا تو کچھ ملے گا۔

۲: مالی عبادات: ...... زکاۃ، صدقات، قربانی، حج وغیرہ۔ ان اعمال کو انجام دینے کے لیے اگر حلال اور جائز ذرائع سے حاصل شدہ مال خرچ کیا جائے گا تو یہ اجر کا باعث ہوں گے ورنہ ردّ کر دیے جائیں گے۔ سورۃ البقرۃ میں واضح ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ [البقرة: ٢٦٧]

طیب، حلال اور پاکیزہ مال سے ہی یہ اعمال مقبول ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ خود طیب (پاک) ہے، طیب عمل ہی قبول کرتا ہے۔''

سورۂ فاطر میں فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ [فاطر: ۱۰]

''اے عزت کے متلاشیو! عزت ساری اللہ کے قبضے میں ہے، اچھی باتیں اسی کے پاس جاتی ہیں اور نیک اعمال والوں کے درجات بھی وہی بلند کرتا ہے۔''

مالی عبادات حلال مال سے ہی درجات کو بلند کریں گی اور مقبول ہوں گی۔ خبیث اور ناپاک مال والی ردّ کردی جائیں گی۔ جس شخص کا کھانا، پینا اور غذا جس سے اس کی پرورش ہوئی، اگر حرام سے ہے تو اس کی دعا قبول نہیں، خواہ وہ بیت اللہ جا کر گڑگڑائے۔

۳: اخلاص: ......اعمال کی قبولیت کے لیے تیسری شرط اخلاص ہے۔ جس کا عمل اللہ کے لیے ہو، اللہ تعالیٰ کی خوش نُودی کے لیے، اس کے حکم کی تعمیل کے لیے ہو، نیت میں خلل نہ ہو، لوگوں کو خوش کرنے کے لیے نہ ہو۔ اگر وہ کسی خاص فرد کی رضا کا طالب ہو تو یہ عمل قبول نہ ہوگا، نبی ﷺ نے فرمایا کہ اعمال کی جزا کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہجرت بڑے درجے کا عمل ہے لیکن اگر اس میں بھی دنیا کا فائدہ چاہتا ہے تو یہ بھی رد کردی جاتی ہے۔

﴿وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ [البینة: ۵] (یعنی خالصتاً اللہ کے لیے عبادت کرنے کا ہمیں حکم ہے) کے الفاظ سے اس کی خوب وضاحت ہوتی ہے کہ عبادات میں اخلاص نہیں تو حاصل کچھ نہیں، جیسے فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنعام: ۱۶۲]

''کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو سب جہانوں کا رب ہے۔''

تمام عبادات اللہ ربّ العالمین کی خاطر ہوں۔ یہی مومن کی شان اور نشانی ہے۔ قربانی بھی ربّ کی خاطر اور حلال مال سے ہو کیونکہ:

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ [الحج: ۳۷]

''اللہ تعالیٰ تک تمھاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں تمھارا تقویٰ، یعنی خلوص نیت پہنچتا ہے۔''

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں نے قربانی کی، ایک کی قبول اور دوسرے کی ردّ کردی گئی۔ جس کی قبول ہوئی تھی اس نے بھائی کو عرض کی تھی کہ تُو میری زندگی کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔ قربانی تقوے سے مقبول ہوتی ہے، تو اپنے اندر تقویٰ پیدا کر، میرے قتل کے درپے نہ ہو۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمھارے چہروں کو نہیں دیکھتے (کہ کون خوب صورت ہے یا کمتر) بلکہ تمھارے دلوں کا ملاحظہ کرتے ہیں۔'' دل میں کیا ارادہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کی نگاہ دل پر ہے، شکل پر نہیں۔

٤: اتباع سنت: ...... ہر عمل اگر رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہوگا تو عمل قبول ہوگا ورنہ ردّ کر کے منہ پر مار دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ [محمد: ۳۳]

''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (ان کی اطاعت سے اعراض کرکے) اپنے اعمال برباد نہ کرو۔''

تو حضور ﷺ کے حکم کے مطابق اور آپ ﷺ کے طریقے کے مطابق کیا ہوا عمل مقبول ہوگا ورنہ باطل ہوگا۔

تو عزیزو! ایمان، اخلاص، مالِ طیب اور سنت نبوی کی چاروں شرائط ہوں گی تو اعمال مقبول ہوں گے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کو صدمہ

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب حفظہ اللہ کا نواسہ محمد احسان بن محمد علی صاحب ساکن چک 53 گ ب ڈھیسیاں (فیصل آباد) 7 نومبر 2012ء کو قضائے الٰہی سے وفات پا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی عمر 22 سال تھی۔ اس جواں عمری میں یہ صدمہ لواحقین کے لیے افسوس ورنج کا باعث ضرور ہے مگر مرضیِ مولیٰ کے سامنے کسی کو کیا مجال! قارئین مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا فرمائیں۔ اللہ کریم لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے۔ (ادارہ الاعتصام)

احکام ومسائل

گمشدہ چیزوں سے متعلق احکامِ شریعت

ابو عبدالستار عبدالخالق محمدی

مساجد میں گمشدہ چیزوں کا اعلان کرنا:

اس سلسلے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کسی کو سنے کہ وہ مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کررہا ہے تو اسے کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیری گمشدہ چیز واپس نہ کرے۔ کیونکہ مساجد اس مقصد کے لیے نہیں بنائی گئیں۔''

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ٥٦٨)

گمشدہ چیز کو اس کے مالک تک پہنچانے کے لیے اٹھانا:

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ چیز اٹھانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''گم شدہ چیز (بیگ، تھیلا، پرس، صندوق وغیرہ جو بھی ہو) اور اس کا بندھنا (تسمہ وغیرہ جس سے اس کا منہ باندھا گیا ہے) اسے اچھی طرح پہچان لے، پھر اس کا ایک سال تک اعلان کر۔ اگر اس کا مالک آجائے (اور نشانی بتلا دے) تو اس کو اس کے حوالے کردے ورنہ اسے اپنے استعمال میں لا۔''

پھر اس نے گمشدہ بکری کو پکڑنے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ تیرے لیے ہے یا تیرے بھائی کے لیے یا بھیڑیے کے لیے ہے۔'' (یعنی اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، لہٰذا اس کو پکڑ کر مالک تک پہنچا دے۔)''

پھر اُس نے گمشدہ اونٹ کو پکڑنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تجھے اس کو پکڑنے سے کیا غرض! اس کے ساتھ اس کی مشک ہے (یعنی پانی ذخیرہ کرنے کے لیے اوجھری) اور اس کے ساتھ اس کے جوتے (پاؤں) ہیں جن کے ذریعے تالاب پر پہنچ کر پانی پیے گا اور درختوں کے پتے کھائے گا یہاں تک کہ اُس کا مالک اسے تلاش کرتا کرتا پالے گا (یعنی اس کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔'' (متفق علیہ)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے:

''اس گمشدہ چیز کا ایک سال تک اعلان کر، اس کا بندھنا (تسمہ وغیرہ) محفوظ رکھ اور اس چیز کو اچھی طرح اپنی یادداشت میں رکھ۔ پھر ایک سال اعلان کرنے کے بعد اسے خود اپنے مصرف میں لا کر خرچ کرلے، پھر اگر اس کا مالک آجائے تو اسے لوٹا دے۔ (یعنی اس کی قیمت اسے ادا کردے یا اس جیسی چیز خرید کر اسے دے دے۔)''

گمشدہ چیز اٹھا کر اس کا اعلان نہ کرنا:

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص گمشدہ چیز کو اٹھاتا ہے وہ گمراہ ہے جب تک کہ اس کا اعلان نہ کرے۔'' یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے بحوالہ مشکاۃ، ص:۲۶۲۔

گمشدہ چیز استعمال کرنے کے بعد اس کا مالک اگر آجائے:

اس سلسلے میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہیں سے ایک گمشدہ دینار ملا تو وہ اسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یہ اللہ کی طرف آیا ہوا رزق ہے، اللہ نے تجھے دیا ہے۔"

تو رسول اللہ ﷺ نے اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم نے اسے استعمال کرلیا۔ کچھ دن بعد ایک عورت اپنا گمشدہ دینار تلاش کرتے ہوئے آئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

"اے علی! اس عورت کو اس کا دینار ادا کردے۔"

(دارمي بحواله مشكاة، ص: ۲۶۲)

گمشدہ چیز اٹھا کر اس پر دو دیانت دار آدمی گواہ بنائے:

میں حضرت عیاض بن حماد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص گمشدہ چیز پائے تو اس پر ایک یا دو دیانت دار اور منصف مزاج آدمی گواہ بنائے۔ (تاکہ اگر مالک اس میں زیادہ چیز ہونے کا دعویٰ کرے تو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔) پھر اس میں سے نہ تو کوئی چیز چھپائے اور نہ غائب کرے۔ پھر اگر اس کا مالک آجائے تو اسے ادا کردے ورنہ وہ اللہ کا مال ہے، جسے چاہتا ہے وہ دے دیتا ہے۔

(احمد، ابوداود، دارمی بحوالہ مشکاۃ، ص:۲۶۲)

ان احادیث سے یہ مسائل ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ گمشدہ اور دماغی توازن نا درست ہونے والوں کا مسجد میں اعلان کرنا جائز ہے: اس کی دلیل یہ ہے کہ عربی میں اور بالخصوص مندرجہ بالا پہلی حدیث میں گمشدہ چیز کے بارے میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ "ضالة" ہے جس کا معنی گمشدہ چیز ہے جو عام طور پر بے جان اشیاء پر بولا جاتا ہے یا جانداروں میں سے گمشدہ بکری اور اونٹ پر بھی بولا گیا ہے۔ رہا گمشدہ بچے وغیرہ تو ان کے لیے عربی میں "لقيط" کا لفظ بولا جاتا ہے، لہٰذا یہ پہلی حدیث کے ضمن میں نہیں آتے، اس لیے ان کا مساجد میں اعلان کرنا جائز ہے کیونکہ یہ "ضالة" نہیں ہیں بلکہ "لقیط" ہیں۔ ان سے مراد وہ بچے ہیں جو خود بہ خود اپنے گھر تک نہ پہنچ سکتے ہوں، اسی طرح مجنون اور دیوانے جو خود اپنے گھر تک نہ جاسکتے ہوں۔

۲۔ گمشدہ چیز کو مالک تک پہنچانے کی غرض سے اٹھانا جائز ہے: جب چیز کے نقصان اور ضیاع کا خدشہ نہ ہو، اس صورت میں اگر کوئی شخص گمشدہ چیز کو نہ اٹھائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اس طرح وہ اس کے ایک سال تک اعلان کرنے کی ذمہ داری سے بچ جائے گا۔ اور جو اٹھائے گا یہ ذمہ داریاں اس پر عائد ہوگی:

۳۔ ایک سال تک اعلان کرنے کے بعد اگر مالک نہ آئے تو اسے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔

۴۔ اگر گمشدہ چیز معمولی قسم کی ہو جس کے تلاش کرنے کے لیے مالک نہ آئے، مثلاً: کھجور کا دانہ، ایک پیاز، یا ایک سیب وغیرہ تو اس کو اٹھا کر اپنے استعمال میں لائے، اس کے لیے ایک سال اعلان کرنے کی ضرورت نہیں، جیسے حضرت علی کو ایک دینار ملا، اُس کے اعلان کرنے کا آپ ﷺ نے حکم نہ دیا۔

۵۔ اگر استعمال کرنے کے بعد مالک آجائے تو اس کو اس کی قیمت یا اُس جیسی چیز ادا کرنا پڑے گی۔

۶۔ گمشدہ چیز اٹھانے کے بعد اس پر دو دیانت دار شخص گواہ بنائے تاکہ میں بعد اگر مالک زیادہ چیز کا مطالبہ کرے تو ان کی گواہی سے فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

گمشدہ چیز کا صدقہ کرنا:

یاد رہے کہ عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ گمشدہ چیز کو اٹھا کر اس کا اس کے مالک کی طرف سے صدقہ کردیا جائے۔ یہ مسئلہ بالکل غلط اور من گھڑت ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ احادیث سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اسے مالک تک پہنچائے یا اپنے استعمال میں لائے تاکہ اگر مالک آجائے تو اس کو ادا کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ بالفرض اگر گمشدہ چیز اٹھانے والا اسے صدقہ کردے تو یہ صدقہ اس کی اپنی طرف سے تصور ہوگا بعد میں اگر مالک آجائے تو اس کا معاوضہ ادا کرنا اس پر ضروری ہے۔

مسلم اور ذمی/غیر مسلم کی گمشدہ چیزوں کے احکام ایک جیسے ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔

ایک وہم کا ازالہ:

ہمارے اس بیان پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ قرآنِ مجید اور

احادیث میں بہ کثرت ''ضلالت، ضلال، ضال'' کا لفظ انسانوں پر بولا گیا ہے، جیسے:

﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰىo﴾ [الضحی: ۷]، ﴿اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍo﴾[الزمر: ۲۲]، ﴿اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍo﴾ [إبراهيم: ۳] وغیرہ۔ پھر آپ کا یہ کہنا کہ ''ضالة'' کا لفظ بے جان چیز پر بولا جاتا ہے، جاندار پر نہیں، کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

جواب: ......اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں یہ لفظ گمراہی کے معنی میں وارد ہوا ہے جو ہدایت کے مقابل ہے۔ ضلالت کا مطلب گمراہی، کفر اور شرک ہے اور اس کے مقابل ہدایت ہے جس کا مطلب ایمان اسلام نیکی، تقویٰ وغیرہ ہے۔ اس کا گمشدہ چیز سے کوئی تعلق نہیں، البتہ لغوی لحاظ سے ان کا ربط ہوسکتا ہے کہ ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا﴾ [الضحی: ۷] کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی! آپ شریعت کی تفصیلات واحکامات سے ناآشنا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ آپ کو بتا کر آپ ﷺ کی راہنمائی کردی۔ یہاں ضال کا معنی گمراہ ہرگز نہیں۔ نعوذ بالله من ذلك.

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب وعلمه أتم.

دو نہایت ضروری گزارشات

۱: مولانا عبدالکریم گرنتھی فیروزپوری پنجابی کے مشہور شاعر تھے جو حضرت الامام سیّد عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کے مرید اور شاگرد تھے۔ انھیں ''امین خاندان غزنویہ'' کہا جاتا تھا۔ انھوں نے اپنے عظیم المرتبت استاد اور مرشد کی وفات پر پنجابی نظم میں چند صفحات پر مشتمل ایک رسالہ لکھا تھا، جس کا عنوان تھا:

''جھوک ہادی میرے عبدالجبار دی''

اس میں غزنوی علمائے کرام کا تذکرہ خوب صورت انداز میں کیا گیا ہے۔ مجھے اس رسالے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی دوست کے پاس ہو اور وہ مجھے اس کی فوٹو کاپی بھیج دیں تو شکر گزار ہوں گا۔ آٹھ یا دس صفحات کا رسالہ ہے۔

۲: میری ایک کتاب ''چمنستانِ حدیث'' زیرِ تصنیف ہے۔ مسودہ تقریباً چھ سو صفحات کا ہوچکا ہے جو کمپوزنگ کے مرحلے سے گزر رہا ہے۔ اس میں حضرت میاں سیّد نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے بتیس شاگردوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ متعدد مرحومین علماء کے تذکار ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ چند موجودین علمائے کرام کے تراجم بھی مرتب کرلیے گئے ہیں۔ میری گزارش ہے کہ موجودین علمائے کرام جو کسی دارالعلوم کے سند یافتہ ہوں اور تدریس وخطابت یا تصنیف وتالیف کی خدمات انجام دے رہے ہوں، وہ اپنے حالات جلد از جلد ارسال فرمائیں تاکہ ''چمنستانِ حدیث'' میں درج ہوسکیں۔ میں ہر صاحب علم کے درِ دولت پر نہ خود حاضر ہوسکتا ہوں، نہ ان کی خدمت میں خط لکھ سکتا ہوں۔ امید ہے عالی قدر علماء میری اس مجبوری کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے ضروری واقعاتِ حیات ارسال فرمانے میں تاخیر سے کام نہیں لیں گے۔ مندرجہ ذیل پتوں میں سے جس پتے پر بھی مجھے یاد فرمائیں گے، میں شکر گزار ہوں گا۔

۱: محمد اسحاق بھٹی، مکان نمبر 13، جناح سٹریٹ نمبر 20، اسلامیہ کالونی، ساندہ، لاہور۔

۲: محمد اسحاق بھٹی، معرفت ہفت روزہ ''الاعتصام'' 31۔ شیش محل روڈ، لاہور۔

جہالت کے مظہر گناہ

قاری محمد حسن سلفی

معاشرے میں ہر طرف جہالت اور بے دینی کا غلبہ نظر آ رہا ہے۔ اغیار کی نقالی اور دنیوی ہوس نے انسان کو حیوان بنا دیا ہے۔ دینی تعلیمات اور شعائر اسلام سے بے رغبتی دن بہ دن بڑھ رہی ہے۔ جب کہ اللہ رب العالمین نے اپنے بندوں کی راہنمائی کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام معلّم بنا کر مبعوث فرمائے۔ قرآنِ کریم میں متعدد جگہ ختمی المرتبت حضرت محمد کریم ﷺ کو ﴿یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ کا منصب ملنے کا بیان ہے۔ آپ ﷺ نے آ کر دنیا سے جہالت اور ظلمت کا خاتمہ کیا اور ایسی مثالی زندگی انسانیت کو عطا کی کہ جس سے ہر طرف خیر اور بھلائی کا چرچا اور غلبہ ہو گیا۔ قرآنِ کریم جو آخری امت کی طرف کتابِ ہدایت بن کر آیا ہے، اس میں نیکی اور گناہ کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

وہ اعمال جن کو قرآنِ کریم میں باقاعدہ جہالت کا نام دیا گیا، افسوس! آج امت مسلمہ ہدایت کی نورانی کرنوں کو چھوڑ کر ان ظلمات اور جہالتوں میں لت پت نظر آ رہی ہے جس سے قرآن بار بار منع کرتا نظر آتا ہے:

ا۔ زنا کاری:

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہم لوگ پڑھتے بھی ہیں اور خطباء اور واعظین سے سن کر اپنا ایمان بھی تازہ کرتے ہیں۔ اس نصیحت آموز واقعہ یوسفی میں ہمیں پاک دامنی اور عفت وعصمت کی حفاظت کا بھی ایک عظیم سبق ملتا ہے۔ پہلے ''شاہی خاتون'' کے مکر وفریب سے بچ نکلے لیکن اس خاتون نے دیگر عورتوں کے طعنے سن کر ایک پُر تکلف دعوت پر جب زنانِ مصر کو بلایا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی رونمائی کرائی تو وہ اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔

بیگم شاہی نے اعتراف بھی کیا اور اصرار بھی کہ ہاں، یہ ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں کہ ملکۂ مصر ہو کر ایک غلام پر فریفتہ ہوئی اور اپنی منشا بھی پوری نہ کر سکی۔ اب سنو! اگر یوسف علیہ السلام میرے دامنِ فریب میں نہ آیا تو میں اسے دردناک سزا دوں گی یا جیل کی کال کوٹھڑیوں میں پھینک دوں گی۔ جب اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی بدحواسی اور حیوانگی دیکھی تو دعا کی:

﴿رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ۝﴾ [یوسف: ۳۳]

یعنی اے میرے رب! جس چیز کی طرف یہ مجھے بلا رہی ہے ہے اس سے مجھے جیل جانا ہی پسند ہے اور اگر تُو نے ان کے ارادے مجھ سے نہ پھیرے اور مجھے نہ بچایا تو میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ دعائے حق واضح کر رہی ہے کہ زنا کرنے والا جاہل ہوتا ہے۔ بے شک وہ دنیوی علوم سے کتنا ہی واقف کیوں نہ ہو۔ جس نے اپنا منصب ہی نہ پہچانا، جسے انسانیت کی تمیز ہی نہ رہی، جو کسی کی ماں، بہن، بیٹی کی عزت سے کھیل رہا ہے وہ ضرور جاہل ہے۔

۲۔ بے پردگی:

عورتوں کا بے پردہ گھروں سے نکلنا اور بن سنور کا بازاروں کی زینت بننا آج کے دور کا ایک ''فیشن'' بن چکا ہے۔ شریف سے شریف گھرانوں کی عورتیں بھی بازار سے خود شاپنگ کرنا اپنا حق سمجھتی ہیں۔ ایک وہ وقت تھا کہ جب نوجوان لڑکیاں اور خواتین کو گھر کا سربراہ، خاوند، بیٹا، بھائی کوئی کپڑا جوتا وغیرہ لا دیتا تو وہ ان کی پسند میں ہی اپنی رضا شامل کرتے ہوئے اسے قبول کر لیتی۔ بلکہ میرے تصورات تو اس وقت کو دیکھ رہے ہیں کہ جب نوجوان بچیاں گھروں

میں بھی آ کر خوش بُو والی صابن یا سرخی یا شوخ رنگ کے کپڑے پہن لیتیں تو یہ بھی بزرگوں کو ناگوار گزرتا تھا۔ مگر آج کا زمانہ تو عورت کی آزادی کا زمانہ ہے۔ سکول، کالج، یونیورسٹیاں، بازار، پارک غرض کہ ہر جگہ مخلوط ماحول دیکھنے کو ملتا ہے۔ اگر یہ ساری چیزیں پردہ داری کے ساتھ اور مخلوط نہ ہوں تو شاید ان کی شریعت میں کوئی رکاوٹ وقباحت نہ ہو مگر آج بے پردگی اور کھلے منھ باہر نکلنے والیاں بہ زعم خویش اپنے آپ کو ترقی پسند، خوش حال، ماڈرن اور نہ جانے کیا کیا تصور کرتی ہیں مگر قرآن نے اس بے حیائی اور بے پردگی کے دور کو جاہلیت کا زمانہ کہا ہے، ارشاد حق جل مجدہ ہے:

﴿وَ قَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِیَّةِ الۡاُوۡلٰی وَ اَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ اَطِعۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ﴾ [الأحزاب: ۳۳]

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور جاہلیت کی پہلی زینت کی طرح زیب وزینت اختیار نہ کرو، نماز پڑھو، زکاۃ دو اور اللہ اور رسول ﷺ کی پیروی کرو۔''

یہ عورتوں کا گھروں سے بے پردہ باہر نکلنا تو جاہلیت کی بات تھی جسے اسلام نے آ کر ختم کیا اور عورت کو پردے کے ساتھ وقار اور عزت عطا کی۔ مگر آج زنانِ اسلام بھی اغیار کی نقالی کرتے ہوئے اپنی حرمت خاک میں ملا رہی ہیں اور یقیناً زنا جیسے خطرناک وشرم ناک گناہ کا یہی پہلا دروازہ ہے۔ آج بھی اگر ملک میں پردے کا نظام قائم ہوجائے تو بہت سے فتنے ختم ہوسکتے ہیں۔ عورت شمع محفل نہیں یہ تو چراغِ خانہ ہے۔

۳۔ لواطت:

زنا اور بے پردگی کی طرح ایک اور ایسا ہی شرم ناک فعل ہے۔ مرد کا مرد سے جنسی خواہش پوری کرنا ایسا قبیح فعل ہے جو سب سے پہلے شیطان نے آ کر قوم لوط علیہ السلام میں شروع کیا۔ اور اسی بدفعلی کی وجہ سے قوم سیدنا لوط علیہ السلام پر وہ عبرت ناک عذاب آیا کہ جسے پڑھ اور سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

گزشتہ دنوں ہم جنس پرستوں کا ایک اجلاس اسلام آباد میں ہوا۔ غیر مسلم آج اسے بھی روشن خیالی کے نام پر مسلمانوں میں عام کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ یہ روشن خیالی نہیں بلکہ جہالت ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو اس بدفعل سے منع کیا تو یہی فرمایا تھا:

﴿اَئِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَهۡوَۃً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ ۝﴾ [النمل: ۵۵]

''کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو بلکہ تم تو جاہل قوم ہو۔''

آج قوم میں یہ شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم جنس پرستی، زنا اور بے پردگی روشن خیالی اور ترقی نہیں بلکہ یہ جہالت ہے جس سے انسان کی دنیا وآخرت دونوں برباد ہوجاتی ہیں۔

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں
امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں

ضروریاتِ زندگی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا معیار

ام عبد منیب

کوئی بیمار ہو، کسی کے ہاں کوئی خوشی یا غمی ہو، ہم اکثر شامل نہیں ہو پاتے، جس کا ہمارے پاس اکثر ایک ہی عذر ہوتا ہے کہ وقت نہیں ملتا۔ اور یہ بات ہے بھی سو فیصد درست۔ کس کا جی نہیں چاہتا کہ وہ اپنے اقرباء اور عزیزوں کی خبر گیری نہ کرے، یا ان سے ملاقات نہ کرے، لیکن گھریلو کام اور مجبوریاں اسے جکڑے رکھتی ہیں۔ صبح سے شام تک روزانہ لگاتار کاموں کا ایک سلسلہ ہے جو کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتا۔

روزانہ کھانا پکانا، کپڑے دھونا، برتن صاف کرنا، گھر کی صفائی کرنا، ٹوٹی پھوٹی چیزوں کی مرمت کرنا، ٹیلی فون، بجلی، سوئی گیس، پانی کا بل ادا کرنا، روزانہ دفتر، اسکول، کالج اور دکان پر جانے والوں کی تیاری کرنا وغیرہ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھوں نے کم اشیائے ضرورت کا اصول اپنا رکھا تھا، وہ اپنے شہر، گاؤں اور محلے کے بیماروں کی عیادت کرتے، جنازوں میں شرکت کرتے، معاشی کام بھی کرتے، احباب کا خیال رکھتے، دوسرے کو کسی قسم کی کوئی حاجت ہوتی تو اسے اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس اشیائے ضرورت کم تھیں۔

آیئے! ذرا ایک نظر آج کی اشیائے ضرورت کے جھمیلوں اور اس دور کی اشیائے ضرورت پر نظر ڈال لیں۔

کھانا:

ان کے پاس کھانے کے لیے اہم خوراک، کھجور، جو، کشمش، انگور، زیتون کا تیل، دودھ اور شہد تھی۔ کھانے میں مٹھاس کے لیے شہد، انگور کا رس، کھجور اور کشمش سے کام لیا جاتا۔ یہ چونکہ فطری مٹھاس ہے اس لیے ان سے شوگر جیسے مرض کا نام تک پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اناج کے طور پر جَو استعمال ہوتا جو بیماریوں کو پاس نہیں پھٹکنے دیتا، مشروبات میں سے دودھ، شہد اور پانی یا پانی اور دودھ ملا کر استعمال کیا جاتا، گوشت ابلا ہوا اور کچا بھی استعمال ہوتا، کوشش یہ ہوتی کہ جہاں تک ہو سکے ہر کھانے کی چیز کو اس کی اصل حالت میں ہی استعمال کیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ کم وقت اور کم خرچ میں کھانا تیار ہو جاتا، اس کی غذائی افادیت محفوظ رہتی، چونکہ غذا سادہ اور کم تھی، لہٰذا بیماری کے خطرات بھی بہت کم تھے۔ چونکہ مقصد زندگی کھانا اور دنیا کی اشیاء سے لطف اندوز ہونا نہیں بلکہ عبادت تھا۔ اس لیے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں دل ڈوبے رہتے، وہ لذاتِ دنیوی کے بارے میں بھلا کب اور کیسے سوچتے؟

آج یوں لگتا ہے جیسے ہمارا مقصد زندگی صرف کھانا اور پہننا ہے۔ بازار اشیائے خورونوش سے بھرے پڑے ہیں۔ کام و دہن کی لذت مہیا کرنے کے لیے ہزاروں فیکٹریوں اور کروڑوں کا عملہ دن رات مصروف ہے۔ رسالے اور اخبارات کھانے اور لباس کی نت نئی ترکیبیں بتانا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں۔

گو دورِ صحابہ میں بھی روم و ایران اور دیگر غیر اسلامی تہذیبوں میں مصنوعاتِ خورونوش اپنے عروج پر تھیں لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم خود کو اس سے دور رکھتے۔

سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بصرہ کے ایک وفد کے ہمراہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ آیا۔ ہم لوگ آپ کے پاس اکثر آتے جاتے۔ آپ کا کھانا فقط چپڑی روٹی ہوتا اور کبھی سوکھی روٹی۔ کبھی ساتھ دودھ یا زیتون کا سالن ہوتا۔ کبھی روٹی کے سوکھے ٹکڑے ہوتے جو کوٹ کر جوش دے لیے جاتے۔ کبھی موٹا گوشت ہوتا۔ ہم

لوگ اس کھانے کو مشکل ہی سے کھا پاتے۔ ایک روز آپ نے کہا: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ میرے کھانے کو نکما سمجھتے ہو اور ناپسند کرتے ہو، واللہ! اگر میں چاہوں تو سب سے اچھا کھا سکتا ہوں اور میں تم سب سے زیادہ پر آسائش زندگی حاصل کر سکتا ہوں۔ میں کراکر (شیر مال)، اسخہ (پراٹھے)، صلاء (بھنا گوشت)، صلائق (چپاتیاں) اور خناب (رائی) سے غافل نہیں لیکن اللہ نے ایک قوم کو عار دلاتے ہوئے فرمایا: جاؤ تم نے اپنی پسندیدہ چیزوں سے دنیا میں فائدہ اٹھا لیا؟ آج تمھیں سخت ناگوار ہوں گی۔'' اس آیت اور واقعہ کے لیے دیکھیے: ''چند آیات کی تفسیر اور عمل صحابہ''

اگر آج ہم صرف وہی چیزیں استعمال میں لائیں جو آسانی سے دستیاب ہیں کم خرچ ہیں، اور کم وقت میں تیار ہو جاتی ہیں تو وقت، محنت اور پیسے کی بچت کو ہم حقوق العباد پر زیادہ سے زیادہ خرچ کر سکتے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا ون ڈش کھانا:

صحابہ رضی اللہ عنہم کا ون ڈش کھانا کیا تھا؟ اس کا اندازہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس سوچ سے لگائیے کہ آپ کے سامنے باسی روٹی لائی گئی جس کے ساتھ سالن تھا۔ جس میں روغن زیتون ڈال دیا گیا۔ آپ نے فرمایا: ایک وقت میں دو سالن؟ میں ایسا سالن کبھی نہیں کھاؤں گا یہاں تک کہ اللہ کے پاس جا پہنچوں۔

(طبقات ابن سعد، بہ حوالہ حیاۃ الصحابہ: جلد پنجم)

گویا صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں ہر وہ چیز سالن تھی جس کے ساتھ روٹی کھائی جا سکے مثلاً نمک، مرچ، سرکہ، شہد، گھی، زیتون، کشمش، کھجور، دودھ وغیرہ۔

ان تمام چیزوں سے تنہا روٹی کھائی جا سکتی ہے۔ اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیال میں سب بہ ذاتِ خود سالن تھیں۔ اب ہمارے سالن کے اجزاء کی فہرست ملاحظہ کیجیے:

نمک، ہلدی، مرچ، گرم مصالحہ تقریباً آٹھ اشیاء پر مشتمل، ادرک، ٹماٹر، لیموں، سلاد کے پتے، گھی، پیاز، لہسن، دھنیا، سبز مرچ اس کے علاوہ اکثر دو اشیاء ملا کر پکائی جاتی ہیں، جیسے دال سبزی، گوشت سبزی وغیرہ۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا۔ ساتھ اچار، چٹنی، دہی اور پکوڑوں وغیرہ کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات انڈا، شامی کباب، چاول، کھیر، کسٹرڈ یا حلوہ جات، جو سالن کی طرح خود کئی قسم کی چیزوں سے مل کر تیار ہوتے ہیں، بھی شامل ہوتے ہیں۔ کھانے کے ساتھ ساتھ بعض گھروں میں پھل کھانا بھی لازمی تصور کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ بعض پھل بہ ذاتِ خود کھانے کا کام دیتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اکثر کھجوریں کھا کر سمجھتے تھے کہ کھانا کھا لیا، اب مزید کھانے کی ضرورت نہیں۔

چائے اور اس کے لوازمات پر نظر دوڑائیے ہم اسراف کی حد تک کس طرح مختلف اشیاء کھاتے رہتے ہیں اور پھر بڑے بھولپن سے کہتے ہیں، بس سادہ سی خوراک ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم محبت رسول، اطاعت رسول اور فدائیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دنیا کے ہر مسلمان سے زیادہ آگے تھے، اسی لیے ان کا عمل ہی حقیقی سنت کے قریب ہے۔

اور اب چلیے! ہم دنیاوی لذات کے حصول میں غرق، نفس کی تسکین کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ون ڈش کھانے کا تصور نہیں اپناتے لیکن یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک وقت میں کھانے کی ایک ہی چیز استعمال کی جائے۔ ایک چیز کو ایک وقت کا کھانا سمجھا جائے مثلاً چاول، کھیر، دلیہ، روٹی، حلوہ، ڈبل روٹی۔ ان میں سے صرف ایک چیز کو ایک وقت کے کھانے کے طور پر استعمال کیا جائے۔ ایک وقت میں ایک چیز ہی تیار کی جائے۔ گھر کا اگر کوئی فرد اسے پسند نہیں کرتا تو اسے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عادت ڈالنی چاہیے کہ وہ یا تو تھوڑی بہت کھا لے یا ناک بھوں چڑھائے بغیر دسترخوان سے اٹھ جائے۔

دورِ حاضر میں بازار کھانے پینے کی اشیاء سے بھرے پڑے ہیں، بیسیوں قسم کی چیزیں تیار ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کھائی جاتی ہیں۔ ہم نہ تو پورے معاشرے کو بدل سکتے ہیں اور نہ ہی ہم میں اتنی قوتِ برداشت ہے کہ اپنے آپ کو یا اپنے بچوں کو ان اشیاء کے ذائقے سے محروم رکھیں، نہ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ اشیاء حرام قرار دی ہیں۔ ہم اور

ہمارے بچے اسی معاشرے کا حصہ ہیں۔ ایسے میں کون سی صورت اختیار کی جائے کہ بچے اور ہم مختلف اشیاء سے لطف اندوز بھی ہوسکیں اور اعتدال کا سرا بھی اپنے ہاتھ میں رہے۔ ہماری خوراک کی مقدار اور کیفیت رسول اللہ ﷺ کی مقدار اور کیفیت کے برابر تو نہیں ہوسکتی لیکن ہم اسے لگام دے کر کم از کم حد تک ضرور لا سکتے ہیں۔

آیئے! ایک نظر مختلف چیزوں کا جائزہ لیں۔

پینے کی اشیاء: دودھ، لہسن، چائے، شربت، جوس، قہوہ۔

بازاری اشیاء: پکوڑے، سموسے، تلی ہوئی مچھلی، کباب، تکے، دہی بھلے، مٹھائی، ابلے ہوئے انڈے، برگر، پیزا۔

موسمی پھل: امرود، کیلا، انار، آم، انگور، آلو بخارا، لیچی، لوکاٹ، خوبانی، جاپانی پھل، سیب، مالٹا، تربوز، خربوزہ، سردا گرما، پپیتا وغیرہ۔

اناج: چاول سادہ، پلاؤ، میٹھے چاول، حلوہ کسی بھی چیز کا، کھیر، حلیم، دلیہ، کسٹرڈ، پڈنگ، روٹی، پوری، کیک رس، ڈبل روٹی۔

سالن: گوشت، سبزی، دالیں، ساگ، چنے، مکھن، دہی، لسی، اچار، چٹنی، دودھ، چائے، شہد، جام، مربہ، انڈا۔

اگر ایک وقت اناج دوسرے وقت پھل تیسرے وقت بازاری اشیاء کو بہ طور خوراک استعمال کیا جائے تو تین وقت کا کھانا مکمل ہوجاتا ہے۔

☆ بازاری اشیاء اور سالن کو بہ طور سالن استعمال کیا جائے تو تقریباً ایک ماہ بعد ایک چیز کی باری آتی ہے۔

☆ خوراک کے اس نقشے میں حسب پسند اور مالی حالت کے لحاظ سے تبدیلی بھی کی جاسکتی ہے۔ یہ تو صرف ایک نمونہ ہے۔

☆ اس نقشے میں سے صرف کم قیمت اشیاء بھی منتخب کی جاسکتی ہیں اور مہنگی اشیاء کو کبھی کبھار کے لیے منہا کردیا جائے۔

☆ یہ نقشہ صرف سہولت کے لیے اور سمجھانے کے لیے ہے ورنہ اپنی مالی حیثیت کے مطابق ''ایک وقت میں ایک کھانا'' کا اصول بڑی آسانی سے بغیر کسی نقشے کے بھی اپنایا جاسکتا ہے۔ کھانے کا اصل اصول تو یہ ہے کہ وقت پر جو مہیا ہو جیسا ہو کھا لیا جائے۔

☆ یہ نقشہ درحقیقت ان خواتین کے لیے ہے جن کا استدلال یہ ہے کہ ہر قسم کی اشیاء بچے کھانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مزید آسانیاں:

کھانا کھانے کے لیے ایک ہی بڑا برتن استعمال کیا جائے یا کم از کم برتن لیے جائیں تو برتن دھونے پر کم محنت خرچ ہوگی، کم وقت خرچ ہوگا، کم پانی خرچ ہوگا، برتن کم خریدنے پڑیں گے۔ زیادہ برتن سنبھالنے کے جھنجھٹ سے جان چھوٹے گی۔ برتن دھونے پر جو صابن وغیرہ خرچ ہوتا ہے اس کی بچت ہوگی۔ ہم بچے ہوئے وقت کو اس سے کسی اعلیٰ مقصد پر صرف کرسکیں گے۔

ایک اور حکم نبوی ﷺ:

اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ایک وقت کے کھانے میں سے تھوڑا سا حصہ نکال کر پڑوسیوں کو بھجوائیں تو اہل محلّہ سے ربط بڑھے گا۔ ان کے احوال کا پتا چلے گا۔ ان کی اصلاح کرنے اور ان کو دینی شعور دینے میں خود بہ خود آسانی پیدا ہوجائے گی۔

اپنی گلی کے گھر اور دور ونزدیک کے لحاظ سے چالیس گھروں تک ہی ہدیہ دینے کو تقسیم کرلیا جائے تو یہ بہتر ہے۔ البتہ جس کا دروازہ قریب ہے اس کا حق اولیٰ ہے۔ لہٰذا قرابت کو سامنے رکھ کر بھی کوئی معقول انداز سوچا جاسکتا ہے۔ نادار یا ضرورت مند پڑوسی کو ترجیح دینا چاہیے۔

یہ بھی صرف ایک طریق کار سمجھایا جارہا ہے ورنہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ایک گھر میں کچھ بھیجنے کے لیے نکالنا چنداں مشکل نہیں۔ ایسا کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ مال میں برکت پیدا ہوگی۔

دستر خوان:

اگر سنت کے مطابق میز پر کھانے کے بجائے فرش پر بیٹھ کر کھایا جائے تو مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوں گے:

۱: سنت پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا۔

۲: صحابہ رضی اللہ عنہم سے عملی مشابہت نصیب ہوگی۔

۳: روزانہ میز کرسیوں کی صفائی سے نجات ملے گی۔ یوں وقت اور

محنت کی بچت ہوگی جو حقوق اللہ، حقوق العباد یا حقوق النفس کے کام آئے گی۔

۴: میز کرسیوں پر کپڑا اور گدیاں بچھانے کے اضافی خرچ اور محنت سے بچ جائیں گے۔

۵: ہمارے رسول ﷺ نے کبھی کرسی پر بیٹھ کر یا ٹیک لگا کر نہیں کھایا۔(صحيح بخاري)

٦: آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے لہٰذا ہم ان کی مشابہت کرنے سے بچ جائیں گے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ''ہمارا دستر خوان۔ کھانے اور پینے کے آداب۔ مہمانی اور میزبانی''

لباس:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چاہے کتنے ہی مالدار کیوں نہ ہوتے، پہننے کے لیے عموماً ایک جوڑا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی دوسرا جوڑا بھی میسر آ جاتا۔ بعض کے پاس مکمل جوڑا بھی نہیں ہوتا تھا۔ صرف ایک چادر، ایک تہہ بند، یا ایک ہی قمیض ہوتی۔ صحابہ میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آدمی کتنے کپڑوں میں نماز ادا کرے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سب کے پاس دو دو کپڑے ہیں؟ (سنن أبي داود)

گویا اس وقت دو دو کپڑے بھی کم لوگوں کو ہی میسر تھے۔

خوش حال صحابہ کا ایک ہی جوڑا:

سیّدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب غزوۂ تبوک میں صرف اپنی سستی کی بنا پر پیچھے رہ گئے اور انھیں قطع تعلق کی سزا سنائی گئی۔ بعد ازاں اللہ کی طرف سے توبہ کی بشارت نازل ہوئی تو انھوں نے توبہ قبول ہونے کی خوش خبری سنانے والے کو اپنے کپڑے اتار کر دے دیے اور خود کسی سے مانگ کر کپڑے پہنے۔(صحيح بخاري، صحيح مسلم)

جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ ایک خوش حال صحابی کے پاس بھی پہننے کو ایک ہی جوڑا تھا۔ اس کے برعکس آج ہر شخص کو بیسیوں جوڑے میسر ہیں۔ رنگا رنگ قسم کے، پر تکلف بھی۔ ہر تقریب میں نیا جوڑا پہننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ کوشش بھی ہوتی ہے کہ پرنٹ، ڈیزائن اور سلائی سب سے منفرد ہو۔ اس کوشش میں:

- ☆ منفرد کپڑے کی تلاش میں بازار کے بار بار چکر لگائے جاتے ہیں۔
- ☆ بازار کی بے ہودگیاں اس شوق کے لیے برداشت کی جاتی ہیں۔
- ☆ وقت الگ سے خرچ ہوتا ہے۔
- ☆ پسند کا کپڑا نہ ملنے پر ذہنی کوفت ہوتی ہے جس کی زد میں اہلِ خانہ بھی آ جاتے ہیں۔
- ☆ منفرد ڈیزائن کی سلائی کے لیے درزی کی تلاش، اس کے ہاں چکر لگانا اور سلائی کی قیمت خرچ کرنا پڑتی ہے۔
- ☆ درزی حسب پسند نہ سلائی کرے تو اس پر برس پڑتے ہیں۔
- ☆ قوتِ خرید بڑھانے کے لیے دن رات اور وقت لگا کر محنت کی جاتی ہے جس سے جسمانی تکان اور ذہنی کوفت جنم لیتی ہے اور اس کی زد میں بعض اوقات کوئی دوسرا بھی آ جاتا ہے۔
- ☆ اتنا قیمتی اور مشکل سے حاصل کیا ہوا کپڑا ایک ہی بار پہننے سے پُرانا ہو جاتا ہے، پھر دوسرے کے حصول کے لیے دوبارہ وہی تکلیف دہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔
- ☆ کپڑا آؤٹ آف فیشن ہو جائے، چند تقریبوں پر پہن لیا جائے، پرنٹ عام ہو جائے تو اس کی قیمت، اہمیت اور انفرادیت ختم ہو جاتی ہے۔
- ☆ کپڑے سنبھالنے کے لیے بکس، الماری اور ہینگرز کی ضرورت ایک بار پھر پیسے کا مطالبہ کرتی ہے۔ خریدنے پر خرچ، رکھنے کے لیے موزوں جگہ کا انتخاب، ان کی جھاڑ پونچھ کی محنت، چمک دمک برقرار رکھنے کی ترکیبیں وقت، پیسہ اور محنت کی متقاضی ہوتی ہیں۔
- ☆ دھوبی، ڈرائی کلیننگ اور استری وغیرہ کا خرچ الگ ہوتا ہے۔

گویا صرف چلتے فیشن کے ساتھ چلنے کے لیے ہم اتنا بڑا نقصان اٹھاتے ہیں جب کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو قطعاً یہ پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ کپڑا کیسا ہے؟ نیا ہے یا پرانا؟ سلائی میں کیسا ہے بلکہ ان کا مقصد ستر پوشی ہوتا تھا اور وہ اسی بات کو ترجیح دیا کرتے تھے۔

لباس کے مقاصد کو پیشِ نظر رکھنے کے لیے چند تجاویز:

- ☆ چند موزوں جوڑوں پر اکتفا کریں۔

☆ ہفتے کے سات دن کے لحاظ سے سات جوڑوں کے بعد تو غالباً کوئی ضرورت ہی نہیں کہ تعداد بڑھا دی جائے۔
☆ عمومی گزر اوقات تین جوڑوں میں بھی ہوسکتی ہے ایک پہن لیا ایک اتار کر دھولیا اور ایک خاص موقع پر پہننے کے لیے۔
☆ انتہائی مہنگے کپڑے خریدنے کا شوق نہ ہو تو بہتر ہے بلکہ استطاعت کے مطابق چلا جائے۔
☆ دوسروں کی تقلید سے پوری طرح گریز کریں۔ جو بھی پرنٹ پسند آجائے اسے خرید لینا دانش مندی نہیں۔
☆ نیا خریدیں تو پرانا کسی ضرورت مند کو دے دیں تاکہ تعداد نہ بڑھے۔
☆ دوسروں کو دکھانے کا مقصد نہ ہو۔ اپنی نظر میں خود کو اچھا لگنے کے خیال سے سلیقہ اور نفاست اچھی چیز ہے ورنہ نمود ونمائش اور ریا بن جاتا ہے۔
☆ سلائی کٹائی، پرنٹ اور فیشن کی وجہ سے مت خریدیں، البتہ ضرورت کے تحت کپڑے بناتے ہوئے ان کو بھی مدنظر رکھ لیں تو کوئی حرج نہیں۔
☆ کسی وقت بغیر استری بھی پہننے کی عادت ڈالیں۔
☆ کلف لگانے کے رجحان پر بھی قابو پائیں، اکڑ اور تکبر، کپڑوں میں ہو یا مزاج میں ناپسندیدہ اور نقصان دہ ہیں اور اللہ کو ناپسند ہیں۔
☆ نیا کپڑا بنانے کے لیے عیدین یا کوئی تقریب وغیرہ بہتر ہے سچ میں موسمی ضرورت کو بھی مدنظر رکھ لیا جائے۔
☆ بیٹیوں اور بہوؤں کی شادیوں پر بھی زیادہ جوڑے بنانے سے گریز کریں۔

دیگر گھریلو اشیاء:

ہمارے یہاں جو چیز اچھی لگے، یا کسی کے پاس دیکھیں، خرید لینے کا رجحان عام ہے۔ مقصد خرید یہی ہوتا ہے کہ گھر میں رکھی ہوئی اچھی لگتی ہے۔

دنیاوی سامان منزلِ آخرت کی سواری:

اسلام یہ ترغیب تو دیتا ہے کہ تقویٰ اور عمل میں دوسروں جیسا بننے کی کوشش کی جائے لیکن مادی اشیاء کے حصول میں یہ رجحان تزکیہ نفس کے سراسر منافی ہے۔ دنیا کا سامان ''متاعِ الغرور'' (دھوکے کا سامان) ہے۔ ہاں، اگر اطاعتِ الٰہی کے زیرِ نگیں رہ کر، اسے مشرف بہ اسلام کرکے، اس کا بندہ بننے کی بجائے اسے اپنے نیچے کی سواری بنالیا جائے یہی آخرت کے لیے بہتر ہے۔ اس دنیا میں رہنے والوں کے لیے یہ سامان ناگزیر ہے۔ جب انبیائے کرام کی سنت مؤکدہ نکاح کرنا، کھانا پینا، پہننا اوڑھنا ہے تو ہمیں اس سے فرار کیوں؟ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے:

''دنیا میں اس طرح رہو جیسے ایک پردیسی یا راہ چلتا مسافر ہوتا ہے۔'' (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٦٤١٦)

اس لحاظ سے ہم مسافرانِ آخرت کو بہت کم چیزیں درکار ہیں۔ اپنی ضرورت کا تعین کرنے میں اسلام نے ہماری پسند میں ہمیں آزاد چھوڑ دیا ہے تاکہ پتا چلے کہ کس بندے کو کس چیز سے کتنا پیار ہے۔ وہ رضائے الٰہی کے مقابلے میں کس چیز کو ترجیح دیتا ہے اور کسے ترک کرتا ہے۔ البتہ اسراف اور تبذیر سے منع کیا گیا ہے۔ تبذیر کے بارے تو واضح ہے کہ یہ حرام جگہ پر خرچ کرنے کا نام ہے لیکن اسراف کی کوئی متعین حد نہیں۔ جس سے آگے حتمی طور پر معلوم ہو کہ یہ ممنوعہ علاقہ ہے۔ یہ ہماری اپنی سمجھ اور صوابدید پر منحصر ہے۔

صحابہ کی گھریلو اشیاء:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے لیے ایک پیالہ، ایک بوریا ہی ان کی ضرورت تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ، ایک مشکیزہ، ایک بوریا، بان کی ایک چارپائی اور مٹھی بھر جو تھے۔ جب کہ آپ ﷺ نے فاطمہ وعلی رضی اللہ عنہما کے گھر کے لیے دو مشکیزے، ایک بستر (گدا اور تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی) ایک چکی دی، یعنی جن کی ضرورت سمجھی وہ اشیاء دیں۔

ہماری گھریلو اشیاء:

آج ڈرائنگ روم، ٹی وی لاؤنج، کامن روم، اٹیچڈ باتھ روم، بڑے بڑے کچن، واشنگ مشین، فریج، بہترین کراکری، اعلیٰ فرنیچر، قیمتی قالین، خوش نما فوم کے گدے اور تکیے، ڈبل بیڈ، وی سی آر، ٹیلی فون، موبائل،

کار، اسکوٹر، فیکٹریاں، وسیع مکانات وغیرہ، جس کو میسر ہیں اس کی موجودہ ضرورت اور جس کو میسر نہیں اس کی آئندہ کی ضرورت بن چکے ہیں۔ سچ پوچھیے تو عام لوگوں کی دوڑ دھوپ بھی ان اشیاء کے حصول کے لیے ہے، پھر ان اشیاء کی خریداری کے لیے ملکی مصنوعات پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ ''فارن سے آیا ہے'' کا فاخرانہ اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ چند ثانیے کے لیے صحابہ کی حیات پر نظر دوڑایے اور سوچیے کہ ہم متاع الحیات الدنیا پر سوار ہیں یا متاع الحیات الدنیا ہم پر سوار ہے؟

اشیائے ضرورت کی حد مقرر کیجیے:

سوچیے کتنا اور کون سا فرنیچر ناگزیر ہے۔ جہاں تک بیٹھنے کا تعلق ہے اس کے لیے تو موڑھے اور سادہ سی کرسیاں بھی وہی کام دیتے ہیں جو بیش قیمت صوفے کام دیتے ہیں۔ اگر نہ بھی ہوں تو ہمارا گھر گھر ہی رہے گا۔ ابھی کچھ عرصہ قبل تک ہمارے گھروں میں مہمانوں کو صوفوں کی بجائے پلنگ پر بٹھانے کا رواج تھا۔ جہاں پلنگ نہ ہوتا وہاں یہ کام معمولی چارپائی سے بھی بڑی خوب صورتی سے لیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ تو اپنے مہمانوں کو اپنی چادر یا بوریا پیش کیا کرتے تھے، اس بوریے پر سردارانِ قبائل بھی بیٹھے ہیں اور شاہانِ عجم کے سفراء بھی۔ پلنگ بھی سونے کے کام آتا ہے اور معمولی چارپائی بھی۔ بیڈ ہو یا ڈبل بیڈ اگر یہ سب بھی نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو مہد، فراش اور بساط بنایا ہے۔ یہ بنی ہی اس لیے ہے کہ ہم بغیر کسی تکلف کے اس پر بیٹھیں، لیٹیں، آرام کریں اور یہی ہمارا ابدی بستر ہے۔

ڈیکوریشن پیس:

آج کے ماحول میں ڈیکوریشن پیس کی خریداری کا رجحان ضرورت کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ رہی شوق کی بات تو شوق بھی آزاد نہیں پابند ہی بہتر ہے۔ اگر ذوقِ نظر یا حُسنِ نظر کی بات ہے تو وہ بہتر ہے جو انبیائے عظام اور صحابہ کرام کا تھا۔

برتن:

باورچی خانے پر نظر دوڑایئے، چند حقیر سے برتن، توا، ہنڈیا، چمچ، دیگچہ، پتیلی، کڑاہی، چند گلاس، چند پیالیاں اور پلیٹیں، دوری ڈنڈا، پرات، چھری، چنگیر وغیرہ جو مسلسل استعمال کی وجہ سے گھس چکے ہیں، دراصل ہماری اصل ضرورت یہی ہیں۔ اور یہ چم چم کرتے سٹیل، پلاسٹک، شیشے، پتھر وغیرہ کے مختلف ڈیزائنوں کے ٹی سیٹ، ڈنر سیٹ، واٹر سیٹ اگر نہ بھی ہوں تو کھانا تیار ہو جائے گا اور کھایا بھی جا سکے گا۔ مہمان کی بھی ان شاء اللہ تواضع ہو جائے گی۔ یقین نہ آئے تو تجربہ کر کے دیکھ لیجیے۔

ایک خاتون نے اپنا تجربہ بتایا کہ ہر سال، چھ ماہ بعد گھر کا جائزہ لے کر گھر کی موجود چیزوں میں سے غیر ضروری چیزیں کسی ضرورت مند کو دے دیا کرتی ہوں۔ آخرت میں ایک گھاٹی ہے جس پر ہلکا پھلکا بندہ ہی چڑھ سکے گا۔ (بروایت ابودرداء رضی اللہ عنہ)

عملی تجربے کے لیے معسکر کے پہاڑوں پر مطلوبہ سامان اپنی بیٹھ پر لاد کر چڑھیے اور پھر داد دیجیے صحابہ کی اس سوچ کو کہ ضرورت کیا ہے۔

سیرت وسوانح

قسط نمبر ①

تذکرہ حافظ محمد دین سرگودھوی رحمہ اللہ

عطاء محمد جنجوعہ

پیدائش:

مولانا حافظ محمد دین ۲۴/ جنوری ۱۹۳۹ء کو موضع کوٹ بھائی خان (سرگودھا) میں پیدا ہوئے۔

قوم:

آپ جٹ قوم کی ذات ''لک'' سے تعلق رکھتے تھے جو ضلع سرگودھا کی با اثر قوم ہے۔ یہ اجنالہ، سکیسر، لک اور ماڑی کے دیہاتوں کی اراضی کے مالک ہیں۔ اگرچہ ''لک'' قوم کے بعض خاندان چوری، ڈکیتی اور قتل وغارت میں معروف ہیں، تاہم اس قوم کے بعض افراد نے تعلیم حاصل کر کے سیاست میں نمایاں کردار ادا کیا۔ مہر خداداد لک اور مہر دستگیر لک کے نام اس حوالے سے پیش کیے جاسکتے ہیں۔ ''لک'' قوم کے بعض خاندانوں کا دین سے بھی لگاؤ ہے، چنانچہ انھوں نے سرگودھا کے مضافات میں خوب صورت مساجد بنوائیں۔ ملک موڑ کی جامع مسجد قابلِ دید ہے۔ تاہم کوٹ بھائی خان میں ''لک'' قوم کے تین خاندان آباد تھے جن کی ذاتی زمین نہ تھی، وہ مزارعت پر کاشت کاری کرتے تھے۔

والدین:

حافظ محمد دین کے والدِ محترم اپنے آبائی گاؤں کوٹ بھائی خان میں مہر خدا بخش لک کے نام سے معروف تھے۔ وہ صوم وصلاۃ کے پابند، صابر وشاکر، خداترس اور متوکل مزاج تھے۔ اخلاقی طور پر ملنسار، خوش طبع اور مہمان نواز تھے۔ آپ کے مالی وسائل کا انحصار کاشت کاری پر تھا۔ وہ رزقِ حلال کمانے میں انتہائی محتاط تھے۔ وہ مالک زمین کی حق تلفی نہ کرتے تھے۔ مویشیوں کو کھیتوں میں محتاط انداز سے چراتے تاکہ کسی کی فصل خراب نہ ہو۔ میاں برہان الدین، ملک سردار بلوچ، اللہ دین جنجوعہ اور احمد دین لنگڑ اُن کے ہم محفل تھے۔ آپ کا خاندان شرافت اور اسلام سے لگاؤ کی وجہ سے گاؤں میں معزز تھا۔ معتبر گھرانے اُن سے میل جول رکھنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ اہل دیہہ اُن کے عمدہ اخلاق کی وجہ سے ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔

خاندانی وقار:

مولانا دین محمد برادر مفتی محمد صدیق حفظہ اللہ نے حافظ دین محمد رحمہ اللہ کے خاندانی وقار سے متعلق واقعہ سنایا تھا:

''ذاتی کام کے سلسلے میں کوٹ بھائی خان گیا۔ اُس وقت مسجد اہل حدیث میں ایک بزرگ اللہ دین جنجوعہ (راقم کے دادا) موجود تھے جنھوں نے اُٹھ کر مجھ سے مصافحہ کیا۔ تعارف کے لیے استفسار کیا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ میں نے کہا: سیٹلائٹ ٹاؤن (سرگودھا) سے آیا ہوں۔ انھوں نے برجستہ پوچھا: وہاں تو ہمارا ایک عزیز محمد دین لک پڑھتا ہے۔ میں نے جونہی کہا کہ میں اُس کا استاد ہوں انھوں نے فرطِ محبت سے میرا ہاتھ پکڑا اور بوسہ لیا اور میری آؤ بھگت کی۔ جب میں سواری کے انتظار کے لیے سڑک پر کھڑا ہوا تو وہاں موجود شخص مخاطب ہوا: مولوی جی! آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے کہا: سرگودھا سے۔ اس نے بھی پیار سے پوچھا کہ میرا بھتیجا محمد دین لک پڑھتا ہے۔ جب میں نے کہا کہ وہ تو میرا شاگرد ہے، اُس نے نہایت ادب سے مجھے لکڑی کی کرسی پر بٹھایا آناً فاناً چائے بسکٹ سے تواضع کی اور تانگے پر بٹھایا۔ وہ نمبردار ولد ولی محمد مسلم شیخ تھا۔ مولانا دین محمد نے مسکرا کر کہا: اس طرح پیروں کا

احترام کیا جاتا ہے جس طرح حافظ صاحب رحمہ اللہ کے خاندان کا گاؤں میں احترام ہے۔''

حافظ صاحب رحمہ اللہ کے خاندان کا گاؤں میں اس لیے وقار تھا کہ وہ اہلِ دیہہ کے دکھ سکھ میں برابر شریک ہوتے تھے۔ گاؤں کے غریب لوگ مویشیوں کے لیے گھاس اکٹھی کرنے اُن کے ڈیرے کے گردونواح میں جاتے۔ جب تھک کر پسینے میں شرابور ہوجاتے تو اُن کے ڈیرے پر جا کر آرام کرتے۔ مہر خدا بخش اُن کی لسی سے تواضع کرتے اور روٹی کھائے بغیر جانے نہ دیتے۔ مزید برآں حافظ صاحب رحمہ اللہ کے نانا اور والدِ محترم سماجی، رفاہی اور تبلیغی امور میں گاؤں کے معزز احباب کے دست راست تھے۔

حافظ صاحب رحمہ اللہ کے والد کو قرآنِ حکیم سے دلی لگاؤ تھا۔ نماز فجر کے بعد تلاوتِ قرآن اُن کی زندگی کا معمول تھا۔ انھوں نے کھیتوں میں محفوظ مقام پر قرآن رکھا ہوا تھا۔ اُن کو کام سے ذرا فرصت ملتی تو وہ قرآنِ مجید کی تلاوت شروع کر دیتے۔ آپ کے تین بیٹے: محمد دین، محمد یٰسین اور جلال دین تھے۔ پہلے دو کو حفظ کرایا اور تیسرے بیٹے اور بیٹی کو ناظرہ قرآن کی تعلیم دلوائی۔ مہر خدا بخش رحمہ اللہ چک نمبر ۲۳ الف جنوبی میں فوت ہوئے۔ مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ نے اُن کی نماز جنازہ سے قبل اپنے تأثرات میں فرمایا:

''ہمارے نزدیک ولی وہ ہوتا ہے جو نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرتا ہو۔ میں آج ایک ولی اللہ کی نماز جنازہ پڑھا رہا ہوں۔''

اللہ رحیم وکریم ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمائے، آمین۔

موحدہ خاتون:

حافظ صاحب رحمہ اللہ کی والدہ محترمہ کا نام بختاور تھا۔ وہ پارسا، موحدہ اور رقیق القلب خاتون تھیں۔ نمازِ فجر کے بعد قرآن کی تلاوت کرتیں۔ وہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھتی تھیں۔ میری دادی نے بیان کیا کہ بختاور جوانی میں بھی صوم صلاۃ کی پابند اور نیک سیرت تھیں۔ وہ ہم عمر لڑکیوں سے زیادہ راہ ورسم رکھنے کی بجائے معمر خواتین کی صحبت میں بیٹھنے کو پسند کرتی تھیں۔ میری دادی خانگی امور سے فارغ ہو کر بختاور کے گھر جا کر چرخہ کاتتی تھیں۔ حافظ صاحب رحمہ اللہ کی والدہ اُن کے پند ونصائح بڑے غور سے سنتی رہتیں۔

سرداراں دختر گھیبہ لوہار، سرداراں دختر لکھی اور حافظ صاحب رحمہ اللہ کی والدہ کے میکے کے افراد طاعون کی بیماری کی وجہ سے فوت ہوگئے تھے۔ وہ اپنے آباء واجداد کے واقعات بیان کرکے ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹتی تھیں لیکن اللہ کی قضا پر صبر وشکر کا کلمہ ''الحمد للہ'' پڑھتی تھیں اور نماز کے بعد والدین کے لیے دعائے مغفرت کرتی تھیں۔

بختاور خود دار طبیعت کی مالک تھیں۔ تقسیمِ ہند کے بعد مسلم معاشرے میں تنگ دستی کا دور تھا لیکن انھوں نے رب کے دربار کے علاوہ کسی سے سوال نہ کیا۔ وہ عموماً کہا کرتی تھیں ؎

ماں دیوے پائی میں ہکو ڈنگ پکائی
دیوے رب سائیں میں نت پئی پکائیں

یعنی میں اگر کسی سے سوال کروں حتی کہ ماں سے بھی مانگوں تو وہ صرف ایک دن کے لیے کافی ہوگا، اس لیے میں اپنے رب سے ہی سوال کروں گی جو پہلے بھی دیتا تھا اور اب بھی دے گا۔

راقم چک ۲۳ جاتا تو وہ مجھے بیٹھک میں بلا کر ملتی تھیں۔ بزرگوں کی قناعت اور باہمی اتحاد ویگانگت کے سبق آموز واقعات سناتیں۔ وہ عمر کے آخری حصے میں معذور ہونے کے باوجود صوم وصلاۃ کی پابند رہیں۔ مجھے ہمیشہ آپ ترقی وکامرانی کی دعائیں دے کر الوداع کرتیں۔ وہ اپنے بیٹوں اور بہوؤں کی خدمت پر راضی ہو کر دنیا سے رخصت ہوئیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُن کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

محترم حافظ صاحب رحمہ اللہ کے نانا احمد دین لک حافظِ قرآن تھے۔ وہ ماہِ رمضان میں جنجوعہ فیملی کے حافظ علی محمد اور حافظ محمد دین ولد لکھی کے ساتھ مل کر مسجد اہلِ حدیث میں قرآنِ حکیم سنتے سناتے تھے۔ کسی قسم کا معاوضہ نہ لیتے بلکہ تکمیلِ قرآن کے موقع پر خود جماعتی ساتھیوں

کی خوب تواضع کرتے۔ لاؤڈ سپیکر کا دور نہ تھا، اس کے باوجود اُن کی آواز گاؤں میں گونجتی تھی۔ گرمیوں کے موسم میں عورتیں چھتوں پر بیٹھ کر ذوق شوق سے ان کی تلاوتِ قرآن سنتی تھیں اور اپنے دل کو قرآن کے نور سے منور کرتیں۔ متولی مسجد کی عدم موجودگی میں مذکورہ بزرگ صاحبان بے لوث امامت کا فریضہ سر انجام دیتے اور ایسی صورت میں قادر بخش معمار خطبہ جمعہ دیا کرتے تھے ؏

خدا رحمت کند ایں پاک طینت را

آبائی گاؤں:

حافظ صاحب رحمہ اللہ کا آبائی گاؤں کوٹ بھائی خان جھادریاں سے شاہ پور روڈ پر واقع ہے۔ جس کا رقبہ اٹھارہ ہزار ایکڑ پر مشتمل ہے۔ میکن خاندان جس کے موروثی مالک تھے۔ مغلیہ خاندان کے زوال کے دور میں ہندوستان افراتفری اور لاقانونیت کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ طاقت وَر قبائل کمزور قوموں کو لوٹ کر چلے جاتے تھے اور جہاں زمین زرخیز ہوتی وہاں مقامی لوگوں کو علاقہ بدر کرکے خود قابض ہوجاتے تھے، چنانچہ بھائی خان میکن نے ڈاکو اور لٹیروں سے حفاظت کے لیے قلعہ تعمیر کرایا۔ چونکہ ''کوٹ'' قلعہ کو کہتے ہیں، اس لیے اس کا نام کوٹ بھائی خان مشہور ہوگیا۔ قلعہ تو منہدم ہو چکا ہے البتہ اس کے آثار باقی ہیں۔ رفتہ رفتہ گاؤں کی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا۔

مولانا قطب دین نے کوٹ بھائی خان کی شمالی جانب ۱۱۸۷ھ میں مسجد اہل حدیث کی بنیاد رکھی جس میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ قطب دین کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے حافظ محمد دین خدمتِ دین کا فریضہ سر انجام دیتے رہے۔ انھوں نے ۱۳۱۷ھ میں اس مسجد کو از سرِ نو تعمیر کروایا۔ وہ مدرسہ رحیمیہ (دہلی) کے فیض یافتہ تھے۔ اُن کی ذاتی لائبریری میں عربی فارسی کی نایاب کتب کا وسیع ذخیرہ تھا۔

سیّد احمد اور شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما نے انگریزوں اور سکھوں کے مظالم کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد شروع کیا۔ سانحہ بالاکوٹ کے بعد بنگال، صادق پور اور پٹنہ کے اہل حدیثوں نے گوروں کے خلاف گوریلا مہم جاری رکھی۔ انگریزوں نے اُن کو وہابی کہنا شروع کر دیا۔ جب کہ بعض اصحاب الحدیث نے نئی نسل کو قرآن وحدیث سے روشناس کرانے کے لیے درس وتدریس کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا۔ مولانا قطب دین اسی قافلے کے تبلیغی سپاہی تھے جنھوں نے ۱۱۸۷ھ میں کوٹ بھائی خان میں مسجد اہل حدیث کی بنیاد رکھی۔ کافی عرصہ بیت گیا لیکن آج بھی عوام میں یہ مسجد وہابیوں کی مسجد کے نام سے معروف ہے۔ اس کی تاریخی حیثیت کو ثابت کرنے کے لیے حنفی بزرگ کی شہادت پیش کرتا ہوں۔

کوٹ بھائی خان کے قریب ''بیربل'' گاؤں ہے جہاں کے حنفی بزرگ خواجہ غلام مرتضیٰ فقہی علم اور زہد وتقوے کی وجہ سے علاقہ بھر میں مشہور تھے، جن کی عربی زبان میں قلمی تصانیف پر چند احباب ایم فل اور پی ایچ ڈی بھی کر چکے ہیں۔ حکیم عبدالرسول بکھروی نے خواجہ صاحب کے حالاتِ زندگی اور علمی مصروفیات کو بڑی عقیدت سے ''انوارِ مرتضویہ'' کے نام سے تحریر کیا۔ حکیم صاحب رقم طراز ہیں:

> ''حضرت قبلہ (مولانا غلام مرتضیٰ) روحي فداہ بہ ۱۲۵۱ھ اپنی مطہر بیربل شریف علاقہ شاہ پور میں پیدا ہوئے۔ ولادت باسعادت سے پہلے ایک کامل بزرگ نے آپ کے والد ماجد کو آپ کی پیدائش اور علوِ مرتبت کی بشارت دے دی تھی۔ آپ کی عمرہ تیرہ برس کی تھی کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ حضرت نے حیاتِ والد بزرگوار میں کلام اللہ حفظ کرلیا تھا اور رسائل فارسی کا سکندر نامہ اور علم فقہ کی بعض فارسی کتابیں اور فتاویٰ، مثلاً: صلاۃ مسعودی وغیرہ ختم کر لیے تھے۔ آپ کی طبیعت مبارک اور اخلاق لڑکپن میں ہی ایسے تھے کہ اہلِ بصیرت دیکھ کر یقین کر لیتے تھے کہ آپ مادر زاد ولی ہیں۔'' (انوار مرتضوی، ص: ۲۳)
>
> ''آپ کے زمانے میں غیر مقلدوں کا بڑا زور شور ہوگیا۔ اُن کے ساتھ چند بار آپ کو بحث مباحثے کا اتفاق ہوا۔ آپ کے انفاس قدسیہ کی برکت سے حق تعالیٰ نے اُن اطراف

سے اُن کا قلع قمع کردیا۔ سب سے بڑی بحث مقام کوٹ بھائی خان میں ہوئی۔ بحث کی خبرسن کر دور دور سے خلقت جمع ہوئی۔ حفظِ امن کے واسطے حکام کی طرف سے بہ ذریعہ رسال دار انتظام کرایا گیا۔ غیر مقلدین کا سرکردہ جو بڑی دھوم دھام سے آیا تھا اور جس کو اپنی ہندوستان کی تعلیم کا بڑا گھمنڈ وفخر تھا اور بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال کرلیا تھا، حضرت قبلہ نے دوتین باتوں میں لاجواب کردیا۔‘‘

(انوار مرتضوی، ص:۲۶)

اوّلاً: خواجہ غلام مرتضٰی بیربلوی (متوفی ۱۳۲۱ھ) کے حالاتِ زندگی پر مبنی ’’انوار مرتضویہ‘‘ کا اقتباس اس امر کا ثبوت مہیا کرتا ہے کہ مسجد اہل حدیث (کوٹ بھائی خان، سرگودھا) کے دروازے پر جو پتھر کی تختی آویزاں ہے، اس کی تحریر درست ہے:

قدیم تعمیر کردہ:	مولانا قطب دین رحمہ اللہ	۱۱۸۷ھ
جدید تعمیر کردہ:	مولانا محمد دین رحمہ اللہ	۱۳۱۷ھ
تکمیل کردہ:	حکیم حافظ سراج دین	۱۳۸۰ھ

ثانیاً: مولانا محمد دین رحمہ اللہ جنھوں نے ۱۳۱۷ھ میں مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا تھا وہ دہلی کی دینی درس گاہ سے فارغ التحصیل تھے۔

ثالثاً: مسجد اہل حدیث (کوٹ بھائی خان، تعمیر شدہ ۱۱۸۷ھ) ضلع سرگودھا کی قدیم مسجد ہے۔

حافظ محمد دین لک کے حفظ کے استاد حکیم حافظ سراج دین رحمہ اللہ کی وفات کے بعد اُن کے بھتیجے حکیم احمد دین جمعہ کا خطبہ دیتے رہے جب کہ امامت کا فریضہ حافظ احمد دین جنجوعہ سرانجام دیتے رہے۔ مزید برآں انھوں نے بیالیس سال تک اسی مسجد میں رمضان المبارک کے دوران قرآن سنانے کی سعادت حاصل کی۔ اور اس کے صلے میں ایک روپیہ بھی وصول نہیں کیا۔

الٰہی! قدیم مسجد اہل حدیث (کوٹ بھائی خان) کی تعمیر اور اسے آباد کرنے میں جن بزرگوں نے حصہ لیا اُن کی قبروں کو جنت کا باغیچہ بنادے، آمین۔

حکیم حافظ سراج دین رحمہ اللہ:

حافظ سراج دین رحمہ اللہ نے دینی تعلیم اپنے ماموں حافظ محمد دین سے حاصل کی۔ وہ عالم باعمل، خوش اخلاق اور خوش لباس تھے۔ وہ ہمیشہ پریس کیا ہوا سفید لباس پہنتے تھے۔ مقامی لوگوں کے فہم اور ذوق کو مدنظر رکھ کر وہ پنجابی زبان میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے تھے۔ بعض اوقات وہ منظوم ’’تفسیر محمدی‘‘ خوش الحانی سے پڑھ کر سناتے تھے۔ سامعین نہایت شوق سے اُن کا وعظ سنتے اور اپنے عقیدہ وایمان میں تازگی محسوس کرتے تھے۔ وہ خود بھی احادیث کا ترجمہ اشعار میں کرلیتے تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے۔

دنیا تے محتاج نہ کرنا بندیاں دا یااللہ!
آپے کم سنواریں مولا رحمت کریں تجلی

اس وقت گاؤں کی کسی مسجد میں مدرسے کا اہتمام نہ تھا، اس لیے پورے گاؤں کے بچے اور بچیاں اُن کے مدرسے میں قرآن پڑھتے تھے۔

حافظ سراج دین نے طب کی تعلیم بھیرہ سے حاصل کی۔ حکیم غلام مرتضٰی بھیروی اُن کا ہم مکتب تھا۔ حافظ سراج دین رحمہ اللہ علاقہ بھر میں مشہور تھے۔ وہ بخار اور تپ دق کے علاج کے خصوصی طور پر ماہر تھے۔ وہ غریبوں کا مفت علاج کرتے اور دوسروں سے بھی معمولی دام وصول کرتے۔ خدمت انسانیت اُن کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ رات کے کسی حصے میں کوئی دروازے پر دستک دیتا تو وہ اُس کے ساتھ چل کر مریض کا چیک اپ کیا کرتے تھے۔ مدرسے کے طالب علم خوشی محمد جنجوعہ پنسار میں مریضوں کو دوائی دیتے جب کہ حافظ محمد دین لک دوائی تیار کرنے اور مریضوں کو دینے میں خوشی محمد کا ہاتھ بٹاتے۔ بچپن میں طب کا یہی ذوق جوانی میں حافظ محمد دین لک کے لیے خدمت انسانیت کا ذریعہ بن گیا۔ اس طرح تدریس قرآن اور طبی خدمات کی وجہ سے حافظ سراج دین کا گاؤں میں بے حد احترام تھا۔

اُن کے چھوٹے بھائی میاں برہان الدین بے لوث مبلغ اور سماجی

ورفاہی کاموں کے قائد تھے۔ گاؤں میں سیلابی پانی آتا تو عورتوں کا رفع حاجت کے لیے نکلنا پیچیدہ مسئلہ بن جاتا۔ میاں جی نے تین سڑکیں بنوائیں۔ وہ ملحقہ گاؤں کوٹ پہلوان میں امام وخطیب تھے۔ سردار بھائی خان میکن اُن کا معتقد تھا۔ سردار صاحب اپنے استاد جی کے ہمراہ جلسوں میں شرکت کے لیے سرگودھا جاتے تھے۔ ان دنوں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کا علمی محاسبہ کیا۔ مرزا قادیانی نے بحث مباحثے سے تنگ آکر آسمانی فیصلے کے لیے دعا کی کہ اگر میں سچا ہوں تو مولوی ثناء اللہ میری زندگی میں ہیضے کی موت سے مر جائے اور اگر مولوی ثناء اللہ سچا ہے تو میں اُس کی زندگی میں ہیضے کی موت سے مر جاؤں، چنانچہ مرزا قادیانی ۱۹۰۸ء میں ہیضے کی بیماری کی وجہ سے مرگیا جب کہ شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری ۱۹۴۸ء میں سرگودھا آکر فوت ہوئے۔

والد مرحوم نے بتایا کہ ایک دفعہ مسجد اہل حدیث ۱۹/ بلاک میں جلسہ تھا۔ میں اپنے استاد جی اور سردار بھائی خان میکن کے ہمراہ جلسے میں گیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تقریر کررہے تھے کہ اسلام میں بت پرستی کا آغاز تصویر کشی سے شروع ہوا۔ جب کہ قادیانی اپنے مرزا کی تصویر اپنے گھروں اور عبادت خانوں میں متبرک سمجھ کر لٹکاتے ہیں۔ مرزائی ٹولے کی طرف سے فوراً رقعہ آیا تم اس بات پر کیوں اعتراض کرتے ہو کیونکہ ہم تو تصویر کو دیوار پر لٹکاتے ہیں لیکن مولوی صاحب کی جیب میں بت ہیں وہ بھی عورت کے (یاد رہے کہ اس دور میں روپے پیسے پر ملکہ برطانیہ کی تصویر ہوا کرتی تھی۔) مولانا ثناء اللہ کمال درجہ کے حاضر جواب تھے۔ انھوں نے جیب سے سکہ نکالا اور حاضرین کے سامنے اس پر جوتا مار کر کہا: اسلام میں بت پرستی حرام ہے۔ اگر قادیانی بھی اسے حرام سمجھتے ہیں تو مرزا کی تصویر پر جوتے مار کر دکھائیں۔ حاضرین عش عش کر اٹھے۔ قادیانیوں کی طرف سے کوئی رقعہ نہ آیا۔ تنظیمی رابطے کے فقدان کی وجہ سے بھائی خان میکن کی اولاد حنفیت کی طرف مائل ہوگئی ہے۔

حافظ محمد دین لک کے ابتدائی اساتذہ حافظ سراج الدین اور اُن کے بھائی میاں برہان الدین کا گاؤں میں بڑا احترام تھا۔ کسی نوجوان کو شتر بے مہار کی طرح گلیوں میں پھرنے کی اجازت نہ تھی۔ عورتوں پر پابندی عائد تھی کہ وہ دہری چادر باندھیں۔ بچیاں سر پر دوپٹا رکھتیں کہ اُن کا کوئی بال نظر نہ آتا۔ کسی کو رمضان المبارک کی اعلانیہ بے حرمتی کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اگر کوئی کرتا تو میاں جی اُن کا محاسبہ کرتے۔ اہل دیہہ محدود مدت کے لیے اُن کا سماجی بائیکاٹ کر دیتے۔ اس طرح باقی لوگ عبرت حاصل کرتے۔

حافظ برادران اہل دیہہ کے بے نمازوں کو رب کے دربار میں حاضری دینے کی تلقین کرتے۔ اگر بار بار کہنے کے باوجود نماز نہ پڑھتا تو میاں جی اُس کے گلے میں جوتوں کا ہار ڈال دیتے اور گدھے پر بٹھا کر بازار میں پھراتے، تماشائی تالیاں بجاتے۔ تین چار ایسے واقعات ہوئے تو چند منھ پھٹ لوگ کہنے لگے کہ فلاں چودھری جو بے نماز ہے، میاں جی کا کھونٹا اس پر کیوں نہیں پڑتا۔ میاں جی نے یہ شکوہ سن کر اعلان کردیا کہ کل جلوس فلاں جاگیردار کے ڈیرے پر جائے گا۔ دوسرے دن معززین کا جلوس مسجد اہل حدیث سے نکلا۔ اتنے میں کسی نے بے نماز رئیس کو اطلاع کردی۔ آخر مسلمان تھا، اُس کا سر ندامت سے جھک گیا، قریبی مسجد میں حاضر ہوگیا اور نماز کی نیت کرلی۔ اس طرح اللہ ذوالجلال نے میاں جی کا بھرم رکھ لیا۔

انھوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اتنی جرأت سے سرانجام دیا اور آخر کیوں؟ جس دل میں اللہ ذوالجلال کا خوف بسیرا کرلے وہ دنیا کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتا۔ جو موت وحیات کا مالک اللہ ہی کو سمجھ لے اس کے دل سے غیروں کا خوف مٹ جاتا ہے۔ وہ ارکانِ اسلام کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا پورا خیال رکھتے تھے۔ غریبوں، مسکینوں اور بچوں میں صدقہ وخیرات کرنا اُن کی زندگی کا معمول تھا۔ وہ نہایت خوش اخلاق اور ملنسار تھے۔ وہ مسجد ومدرسے کی بے لوث خدمت کرتے تھے، البتہ عیدین کے موقع پر جماعتی احباب اُن کی خدمت کردیا کرتے تھے۔

جب گاؤں کے بااثر زمیندار نے شیعیت اختیار کرکے عوام میں

اپنے مذہب کا پرچار شروع کر دیا تو حافظ سراج دین اور میاں برہان الدین کی رگ حمیت پھڑک اٹھی۔ انھوں نے مسجد اہل حدیث میں جلسے کا اہتمام کیا۔ ۵ محرم کو اُن کا ماتمی جلوس بازار سے گزر رہا تھا اور چار دیواری کے اندر مسجد میں علامہ دوست محمد قریشی رحمہ اللہ نے مدلل انداز میں ماتم کی تردید کی اور صبر حسین رضی اللہ عنہ کے موضوع پر علمی خطاب کیا۔ یہ اُن دین کے بے لوث خدماء کا تذکرہ ہے جن کے پاس حافظ محمد دین نے قرآنِ حکیم حفظ کیا۔ ماہر نفسیات کا قول ہے کہ بچہ ابتدائی عمر میں جو کچھ سیکھ جاتا ہے اُس کے دل ودماغ پر ثبت ہوجاتا ہے۔ ان شریف اور نڈر اساتذہ کی صحبت اور تعلیم وتربیت کا اثر حافظ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے۔

جھاریاں کے نزدیک موضع خورشید ہے۔ وہاں بسرا فیملی کے ساتھ حافظ صاحب رحمہ اللہ کے آباء واجداد کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ جس وقت حافظ سراج دین متولی مسجد کوٹ بھائی خان حج پر چلے گئے تو حافظ صاحب رحمہ اللہ نے آخری بارہ پارے خورشید کے مدرسے میں حفظ کیے۔ اُن کے استاد حافظ محمد بخش نہایت شریف طبع اور محنتی مدرس تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی تدریس قرآن کے لیے وقف کی ہوئی تھی۔

محترم حافظ صاحب رحمہ اللہ حفظِ قرآن کی تکمیل کے بعد سرگودھا تشریف لے گئے اور مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ کے مدرسے میں داخل ہوگئے۔ اس طرح کوٹ بھائی خان کی جماعت کا سرگودھا شہر کی جماعت سے تنظیمی رابطہ قائم ہوا۔

مسجد کوٹ پہلوان میں سردار بھائی خان میکن کی نگرانی میں جلسہ ہوا جس میں حافظ محمد اسمٰعیل روپڑی، مفتی محمد صدیق اور مولانا غلام اللہ خان علیہ السلام نے توحید وسنت پر مدلل خطاب فرمائے۔ حافظ محمد دین رحمہ اللہ نے تلاوتِ قرآن اور مولانا محمد ابراہیم خادم رحمہ اللہ نے منظوم کلام سے سامعین کے دل موہ لیے۔ اس طرح حافظ صاحب رحمہ اللہ کا اپنے علاقے میں پہلی دفعہ تعارف ہوا کہ خدا بخش لک کا بیٹا سرگودھا میں دینی تعلیم حاصل کررہا ہے۔

عزیزم عبدالخالق بن حافظ محمد دین نے بھلوال میں منعقدہ شوریٰ کے اجلاس میں راقم کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ آپ کے ابا جی (حافظ محمد دین رحمہ اللہ) سے خاندانی مراسم ہیں۔ آپ دیگر قلمی مصروفیات ترک کرکے اُن کے حالات قلم بند کریں۔ میں نے اُن سے کوٹ بھائی خان کی مسجد اور اساتذہ کے بارے استفسار کیا۔ انھوں نے اپنی معلومات کے مطابق اظہارِ خیال کیا جو میں نے ریکارڈ کرلیا۔

راقم نے اُن کے مذکورہ بیان، ذاتی مشاہدے اور تاریخی حوالے کی روشنی میں مسجد کی قدامت اور اس کی خدمت کرنے والے اساتذہ کے حالات تحریر کیے ہیں جو آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب حافظ صاحب رحمہ اللہ کے تعلیمی سفر اور تبلیغی سرگرمیوں کی روداد اُن کے انٹرویو کی روشنی میں پیش خدمت ہے۔ (جاری ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیر قیادت مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان

زیر سرپرستی شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف صاحب حفظہ اللہ

دارالحدیث الجامعۃ الکمالیۃ (رجسٹرڈ) راجووال کی

زیر صدارت پروفیسر علامہ ساجد میر صاحب حفظہ اللہ

زیر نظامت حافظ عبدالکریم صاحب حفظہ اللہ

52 ویں سالانہ تقریب بخاری شریف و اتفاق اہلحدیث کانفرنس

بتاریخ 17 نومبر 2012 بروز ہفتہ بعد نماز ظہر تا رات گئے

خالد محمود صاحب — قاری عبدالباقی — قاری شفقت الٰہی

تاج دین شاکر — عبدالرشید — طلحہ شان

درس بخاری بعد نماز ظہر

محترم جناب فضیلۃ الشیخ شیخ الحدیث حافظ مسعود عالم صاحب حفظہ اللہ — جامعہ سلفیہ فیصل آباد، فاضل مدینہ یونیورسٹی

عبدالغفار روپڑی — عبدالوہاب روپڑی آف لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد حمود لکھوی — ڈاکٹر عظیم الدین زاہد

خصوصی آمد

قاری محمد ادریس العاصم حفظہ اللہ — فاضل مدینہ یونیورسٹی

مولانا عبداللہ یوسف حفظہ اللہ — ناظم دارالحدیث اوکاڑہ

درس قرآن 18 نومبر 2012 بروز اتوار بعد نماز فجر

مفتی اہلحدیث محترم جناب حافظ عبدالستار الحماد صاحب حفظہ اللہ — آف میاں چنوں

سیرت امام بخاری بعد نماز ظہر

محترم جناب ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن یوسف صاحب حفظہ اللہ

صحیح بخاری کی تکمیل کرنے والے سعادت مند طلبہ

(1) مولانا ہارون الرشید صاحب آف بھوئے حاصل ضلع قصور
(2) مولانا حافظ امانت اللہ ظہیر صاحب آف بھوکن حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ
(3) مولانا حافظ احسن عظیم صاحب کچا پکا پتوکی ضلع قصور
(4) مولانا حافظ اویس قرنی صاحب بونگی کلیہ ضلع قصور
(5) مولانا ابوسفیان مکی صاحب بونگی کلیہ ضلع قصور

بانی دارالحدیث حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ کا خصوصی پیغام شرکائے تقریب کے نام

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

اہل اسلام! فرقے مت بناؤ۔ فرقہ بنانے سے ملی و مسلکی نقصان ہوگا۔ تمہارا شیرازہ بکھر جائے گا اور قدم ڈگمگا جائیں گے۔ جلسہ میں آمد سے پہلے نیت درست کرلیں۔ جلسہ دیکھنے کیلئے نہیں بلکہ سننے کیلئے تشریف لائیں۔ روز قیامت یہ نہ کہنا پڑے کاش ہم نے سنا ہوتا اور سوچا ہوتا تو ہم جہنم میں نہ ہوتے۔ جلسہ گاہ کو سیر و تفریح نہ بنائیں۔ یاد رکھیں! کہ یہ قرآن و سنت کی محفل ہے اور ادب کے ساتھ بیٹھنا ہے۔ خوب توجہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ سب کے دلوں میں اپنی محبت کے چراغ روشن فرمائے۔ جلسہ کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں، نہ ہی اسے سیاسی رنگ دینے کی کوشش کریں۔ جلسہ میں نعرہ بازی سے اجتناب کریں۔ نعرہ صرف اسٹیج کی طرف سے بلند کیا جائے گا۔

حفظ قرآن مجید کی تکمیل کرنے والے خوش نصیب طلبہ

1. حافظ حمزہ سلیم راجووال ضلع اوکاڑہ
2. حافظ محمد اصغر علی احمد آباد ضلع اوکاڑہ
3. حافظ محمد اشفاق ماہلہ تکلن کے ضلع اوکاڑہ
4. حافظ محمد شعبان راجووال کہنہ ضلع قصور
5. حافظ مصعب سعید راجووال ضلع اوکاڑہ
6. حافظ طلحہ عبدالغفار ارزانی پور ضلع قصور
7. حافظ عبدالسلام سید پور ضلع قصور
8. حافظ عمر فاروق بھٹہ محبت ضلع اوکاڑہ
9. حافظ ابرار احمد 12 چک ضلع اوکاڑہ
10. حافظ مظہر حسین بھٹہ محبت ضلع اوکاڑہ
11. حافظ ظفر اقبال راجووال ضلع اوکاڑہ
12. حافظ افتخار احمد بونگی کلیہ ضلع قصور
13. حافظ شمشاد الحق راجووال ضلع اوکاڑہ
14. حافظ عثمان یٰسین گہلن ہٹھاڑ ضلع قصور
15. حافظ طلحہ شان 4/2 ضلع اوکاڑہ
16. حافظ اکرام اللہ گہلن ہٹھاڑ ضلع قصور
17. حافظ سرمد شوکت گہلن ہٹھاڑ ضلع قصور
18. حافظ محمد نعیم لاڈی الہ آباد ضلع قصور
19. حافظ وجاہت حسین گہلن ہٹھاڑ ضلع قصور
20. حافظ ظفر اللہ چوک حجرہ ضلع اوکاڑہ
21. حافظ محمد اعظم حویلی لکھا ضلع اوکاڑہ
22. حافظ محمد اعظم ڈھڈیاں ضلع قصور
23. حافظ عبدالستار انڈاری کرم سنگھ ضلع قصور
24. حافظ اسد اللہ سریسر ہٹھاڑ ضلع قصور
25. حافظ طاہر یوسف گہلن ہٹھاڑ ضلع قصور
26. حافظ عبدالقادر حسوکی ضلع اوکاڑہ
27. حافظ معظم امین راجووال ضلع اوکاڑہ
28. حافظ عبدالغفار ڈاہر ضلع اوکاڑہ
29. حافظ محمد شبیر دکن حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ

الداعی الی الخیر: پروفیسر عبدالرحمٰن محسن بن شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ، منتظم دارالحدیث الجامعۃ الکمالیۃ (رجسٹرڈ) راجووال ضلع اوکاڑہ

0300-6972721
0336-6972721
0444-870005

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

عمر ابن خطاب، فاروقِ اعظم
وہ خیر سراپا، وہ عدلِ مجسم
وہ نقاش تہذیب و نباضِ فطرت
سیاست مقدس، حکومت منظّم
وہ رائے کہ وحیِ خدا سے توارد
یہ عرفانِ حق، یہ فراست کا عالم
وہ طرزِ حکومت، عروجِ شریعت
کہ دین اور دنیا میں تھا ربطِ باہم
قضا و قدر نے کہا بارک اللہ
عمرؓ جب چلے جانب دارِ ارقم
وہ ایمان و اسلام لانے کا منظر
نبیؐ نے کیا ان کا خود خیر مقدم
حرم میں وہ پہلی نماز اللہ اللہ
یہ تاریخ کا واقعہ ہے مسلّم
وہ فاروقِ اعظم کا دورِ خلافت
برستا رہا ابرِ رحمت چھما چھم
عمرؓ کی شہادت ہے کتنی مبارک
اسی سے ہے آغازِ ماہِ محرم
مسلمان ذکرِ عمرؓ کر رہے ہیں
نہ آہ و بکا ہے نہ فریاد و ماتم
مری منقبت کے یہ اشعار ماؔہر
کوئی موجِ کوثر، کوئی موجِ زمزم

(ماؔہر القادری)